جملہ حقوق محفوظ

بھارت سپوت

یعنی

مہاتما گاندھی کی سوانح عمری

مرتبہ

سید امتیاز علی تاج اڈیٹر رسالہ کہکشاں لاہور

۱۹۱۹ء

PUBLISHED BY THE AUTHOR

قیمت ایک روپیہ

بار اول پانچ ہزار

Punjab Ecocomical Press, Lahore.

تمہیدی الفاظ

میں نے اس کتاب پر ایک سرسری نظر ڈالی ھے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ مؤلف نے اپنا مطلب نہایت سلیس اور پر اثر الفاظ میں ادا کیا ھے۔ مہاتما گاندھی کے اوصاف محتاج بیان نہیں۔

ز وصف نا تمام ما جمال یار مستغنی ست
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را

مجھے اس بات سے بہت خوشی ہوئی۔ کہ ایک مسلمان نوجوان نے ایک ہندو بزرگ قوم کی سوانح عمری مرتب کی ھے۔ جو ایک طرف تو نوجوان موصوف کی نیکدلی اور سعادت مندی کی۔ اور دوسری طرف ہندو مسلمانوں کے سچے اتحاد کی نشانی ھے۔ مؤلف نے وطن کی خدمت کی ھے۔ اور مجھے امید ھے۔ کہ اہل وطن اس کی قدر کرینگے۔

دستخط

پنڈت موتی لال نہرو

تمہید
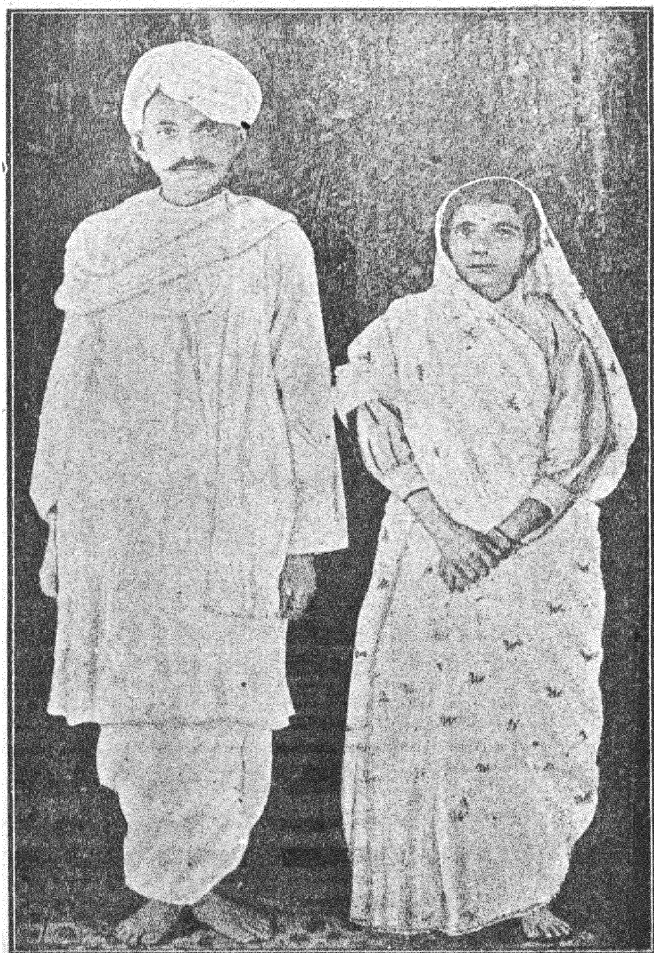
۴ ۔ اکتوبر کی صبح دارالخلافہ پنجاب کی تاریخ میں ایک عظیم الشان صبح تھی ۔ مارشل لا ختم ہوچکا تھا ۔ اور اس کی سختی و تشدد سے اہل پنجاب کو نجات مل چکی تھی ۔ نظام حکومت بالکل بدل گیا تھا ۔ مگر سرزمین پنجاب نے ابھی تک عالم سکرات سے افاقہ حاصل نہ کیا تھا وہاں کے لوگوں کے دل مُردہ اور چہرے افسردہ تھے ۔ امنگیں ڈوب گئی تھیں ۔ ہر طرف اُداسی چھائی ہوئی تھی ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ لوگوں میں جان ہی باقی نہیں رہی ۔ اور پھر یکا یک ایک صبح آتی ہے کہ ہر ایک کا دلی جوش ضبط اور احتیاط کے بندوں کو توڑ ڈالتا ہے لوگوں کی روحیں فضائے سینہ میں ساون بھادوں کے بادلوں کی طرح پھیل جاتی ہیں ۔ نوجوانوں کے قدم ایک عجیب شان سے گھروں سے باہر نکلتے ہیں ۔ اور وہ بڑی تیزی سے ریلوے سٹیشن کو دوڑے چلے جا رہے ہیں ۔ سڑکوں پر موٹروں ۔ گاڑیوں اور بائیسکلوں کا تانتا لگا ہوا ہے ۔ اور شہر بھر میں ایک کھلبلی مچ رہی ہے ۔ ریلوے پلیٹ فارم پر

لوگوں کا دریا لہریں لے رہا ہے۔ سب کے ہاتھوں میں پھول ہیں۔ اور چہرے پھولوں کا کھلنا یاد دلا رہے ہیں۔ گردنیں ٹرین کی آمد کے انتظار میں جھک جھک کر دُکھ گئی ہیں۔ اور بے چینی ہے۔ کہ دمبدم بڑھتی چلی جاتی ہے۔ کہ یکایک انجن بھاپ نکالتا اور دھوئیں کے بقعے اُڑاتا ریلوے اسٹیشن میں داخل ہوتا ہے۔ اور لوگ دیوانہ وار خوشی کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ حاضرین لپک لپک کر گاڑیوں کو دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ کہ آنے والے کو ڈھونڈ لیں۔ کئی انہیں ٹرین کے اول درجے میں تلاش کر رہے ہیں بعض دوم میں دیکھ رہے ہیں۔ اور چند آدمی احتیاطاً درمیانی درجے کے اندر بھی جھانکتے ہیں۔ کہ اتنے میں پہچاننے والے پہچان لیتے ہیں۔ درجہ سوم کی گاڑی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور ایک نہایت سیدھی سادھی وضع کا مسافر برآمد ہوتا ہے۔ اُس نے ایک ادنےٰ درجے کے کپڑے کی دھوتی اور کرتہ پہن رکھا ہے۔ سر پر ایک دوپلیا ٹوپی ہے۔ اور پیر ننگے ہیں۔ اُس کی آنکھوں سے ایک روحانی اطمینان برس رہا ہے۔ اور اُس کے لبوں پر ایک لطیف تبسم رقصاں ہے۔ اُس کو دیکھتے ہی لوگوں کے جسم میں ایک سنسنی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ اس پر پھول برسانے دوڑتے ہیں اور جوش مسرت اور وفور عقیدت مندی سے بے تاب ہو کر ایک نعرہ بلند کرتے ہیں۔ "مہاتما گاندھی کی جے"

لاہور اسٹیشن کی عظیم الشان عمارت کی دیواریں تھر تھرا اُٹھتی ہیں۔ اور اس پُر جوش نعرے کو دامن میں سمیٹ کر دوبارہ اس نووارد

پرنچھاور کر دیتی ہیں +

مسٹر گاندھی اور اُن کا خاندان

۱۸۶۹ء میں ۲۔ اکتوبر کے روز کاٹھیاواڑ گجرات کے ایک شہر پوربندر میں ہندوستان کے اس نامور سپوت نے جنم لیا۔ اور ان کا نام موہن داس کرم چند گاندھی رکھا گیا۔ اگرچہ آپ ذات کے برہمن نہیں۔ مگر آپ میں برہمنوں کی سی روحانیت اور پارسائی موجود ہے۔ اور گو آپ ایک کشتری کی مانند دلیر، بہادر اور شجاع ہیں۔ لیکن آپ ذات کے کشتری بھی نہیں۔ بلکہ ایک ویش خاندان کے نونہال ہیں اور اپنے ماں باپ کے تینوں بچوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ پشتہا پشت سے آپ کا خاندان نیکی۔ ہمت۔ اخلاق اور قابلیت انتظام کے لئے مشہور چلا آتا ہے۔ لیکن آپ کے والدین میں یہ اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے۔ چنانچہ وہ ان خصوصیات کے باعث بہت مشہور ہو گئے تھے +

آپ کے دادا ریاست پوربندر کے راناکے دیوان تھے۔ اُن کے متعلق ایک واقعہ زبان زدعام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی فطرت کس قدر نڈر اور دلیر واقع ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں جو نکہ ریاست پوربندر میں رانی اپنے کنور کی بجائے قائم مقامی مدار المہام کا کام کر رہی تھیں۔ اس لئے دیوان صاحب کو رانی سے اکثر سابقہ پڑتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ دیوان صاحب کی رانی سے کچھ ناچاقی ہو گئی۔ اور معاملات

نے اس قدر ناگوار صورت اختیار کرلی - کہ انہیں اس کے سوا کچھ چارہ نہ نظر آیا - کہ پوربندر سے بھاگ جائیں - چنانچہ اُنہوں نے یہاں سے فرار ہوکر نواب جوناگڑھ کے ہاں پناہ لی - قابلیت کی ہر جگہ قدر ہوتی ہے - نواب صاحب ان سے نہایت التفات و مہربانی سے پیش آئے - اور آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا +

نواب صاحب کے درباریوں نے دیوان صاحب میں ایک انوکھی بات یہ دیکھی - کہ آپ جب کبھی دربار میں تشریف لاتے - تو تمام آداب مجلس کو بالائے طاق رکھ کر نواب صاحب کو بائیں ہاتھ سے سلام کیا کرتے تھے - جب ان سے اس کا باعث پوچھا گیا - تو نڈر دیوان نے جواب دیا:-

"گو پوربندر والوں نے مجھ سے بہت بدسلوکی کی ہے لیکن
باایں ہمہ میرا دایاں ہاتھ اب تک اُنہیں کے لئے مخصوص ہے"

مسٹر گاندھی کے والد بھی اپنے خاندان میں معقول عزت و وقار رکھتے تھے - آپ بڑے دھارمک بزرگ تھے - بھاگوت گیتا کا برابر پاٹ کرتے تھے - اور علاوہ اَور صفات کے اپنی نیک طبیعتی اور خوش مزاجی کی وجہ سے بہت مشہور تھے - آپ کے تعلقات وسیع تھے - اور جو کوئی آپ سے ملتا - آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا - اپنے والد کے بعد یہ پوربندر کے عہدے پر سرفراز ہوئے - لیکن اپنے والد ہی کی طرح یہ بھی حاکم کی نظرِ عنایت سے محروم ہو گئے - اور پوربندر سے مراجعت فرما کر راجکوٹ چلے گئے - ریاست راجکوٹ میں بھی آپ کو دیوان کا

عہدہ پیش کیا گیا۔ جو انہوں نے قبول کر لیا۔ یہاں آپ نے اپنی حُسن تدبیر اور خوبیٔ انتظام سے راجکوٹ کے ٹھاکر صاحب کی نظروں میں بے انتہا وقعت پیدا کر لی۔ اور وہ آپ کے اس قدر گرویدہ و معتقد ہو گئے۔ کہ انہوں نے بے انتہا اصرار سے کہا۔ کہ مجھے اپنے جوشِ عقیدت کے اظہار کی اجازت دیجئے۔ اور زمین کا ایک قطعہ بطور نذرانہ قبول فرمایئے۔ لیکن خلوص و خیر خواہی مال و متاع سے بے نیاز ہے۔ آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر جب دوستوں اور عزیزوں کے ذریعے سفارش کرائی گئی۔ اور انہوں نے بے انتہا اصرار اور منت و سماجت سے کہا۔ تو اُن کی خوشنودی کے خیال سے آپ بمشکل تمام اس بات پر رضامند ہوئے۔ کہ جو تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کے ایک تھوڑے سے حصّے کو قبول کر لیں*

آپ کے متعلق ایک اس سے بھی زیادہ دلچسپ واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز آپ نے اتفاق سے اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ کو ٹھاکر صاحب کے متعلق کچھ بدزبانی کرتے ہوئے سُن لیا۔ آپ آخر اسی ٹھاکر کے دیوان تھے۔ ضبط نہ ہو سکا۔ وفاداری و نمک حلالی کے جوش میں طیش آ گیا۔ اور آپ نے پولٹیکل ایجنٹ کے الفاظ کی سخت تردید کی۔ ایجنٹ صاحب بہت بگڑے۔ اور فوراً معافی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے جو کچھ بھی کہا تھا۔ مناسب کہا تھا۔ اور اس پر اب تک قائم تھے۔ معافی کس بات کی مانگتے چنانچہ آپ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔ اس سے پولٹیکل ایجنٹ بہادر کی حکومت پسند طبیعت کو سخت صدمہ پہنچا۔ اور انہوں نے اپنا وقار

واحترام برقرار رکھنے کی غرض سے حکم دیا۔ کہ خطاوار دیوان کو حراست میں لے لیا جائے۔ اور چند گھنٹوں کیلئے ایک درخت کے نیچے بٹھایا جائے۔ لیکن معافی کے مطالبہ سے ناچار درگزر کیا۔ اور صلح صفائی ہوگئی۔

آپ کی والدہ بہت نیک دِل خاتون تھیں۔ مذہب اُن کی آنکھوں کا نور تھا۔ اور برت سندھیا کی پابند تھیں۔ ان کے روزے طولانی اور سخت ہوتے تھے۔ اُن کی سخاوتیں بے انتہا اور فراواں تھیں۔ ان کے اس دل کے لئے جو رحم و ہمدردی سے دھڑک رہا تھا۔ اور ان آنکھوں کے لئے جن میں نیکی اور پاکیزگی کا سرمہ لگا تھا۔ یہ منظر ناقابلِ برداشت تھا۔ کہ ان کے ہمسائے میں کوئی زندہ شخص بھوک سے بلبلا رہا ہو۔

انہیں اپنے سب سے چھوٹے بچے سے بے انتہا محبت تھی۔ وہ اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ لیکن یہ محبت بچے کی تعلیم وتربیت کے خیال سے بے نیاز نہ تھی۔ بلکہ بچے کی درستی اخلاق اور مناسب تربیت کی اغراض کے لئے کسی قدر سختی سے بھی کام لیتی تھیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے۔ کہ بچے کی اچھی تربیت صرف اس پر منحصر نہیں۔ کہ اس کے کان نصیحتوں سے بھر دیئے جائیں۔ بلکہ اس امر پر موقوف ہے۔ کہ اس کے سامنے زندگی کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کی والدہ محترمہ کی پاک زندگی نے آپ پر نہایت نیک اثر ڈالا۔

بچپن سے مٹریکولیشن تک

مسٹر گاندھی کے بچپن کے متعلق اتنا ہی کہ دینا کافی ہے۔ کہ جس گھر پر ایک ایسی خدا پرست رانی حکومت کرتی تھی۔ اس میں ان کے ایام طفلی کا شیریں زمانہ گزرا۔ اور مناسب وقت آنے پر وہ پوربندر کے سکول میں داخل کر دیئے گئے۔ کچھ عرصے کے بعد جب اُن کے والد نے یہاں سے مراجعت کی۔ تو اپنے خاندان کے ساتھ آپ بھی راجکوٹ چلے گئے۔ یہاں شروع شروع میں آپ ورنیکلر زبان کے ایک مکتب میں داخل ہوئے۔ اور پھر کاٹھیاواڑ ہائی سکول میں چلے گئے۔ یہاں سترہ برس کی عمر میں انہوں نے مٹریکولیشن کے امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ اس موقعہ پر یہ بھی لکھنا ضروری ہے کہ ابھی آپ کی عمر بارہ ہی برس کی تھی۔ کہ وہ شریف اور مقدّس روح آپ کی شریک زندگی بنا دی گئی تھی۔ جو آپ کی ساری زندگی میں سائے کی طرح آپ کے ہمراہ رہی ہے۔ اور تمام دکھ درد اور مصائب کے موقعوں پر نہایت ہمت و استقلال سے آپ کا ساتھ دیتی رہی ہے +

آپ کی مکتب کی زندگی کا ایک واقعہ مشہور ہے۔ اگرچہ وہ بادی النظر میں معمولی نظر آتا ہے۔ مگر غور سے دیکھئے۔ تو بنیاد ہی کہہ رہی تھی کہ اس پر ایک عظیم الشان قصر تعمیر ہوگا۔ چونکہ آپ ایک ایسے ویش خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور پلے تھے۔ جو مذہب کا سخت

پابند تھا۔ اس لئے آپ اپنے مذہب کی ریتوں۔ رسموں اور طریق عبادت سے پوری طرح واقف تھے۔ اور اس کے اصول و دلائل کے متعلق بھی معتد بہ معلومات آپ کو حاصل تھیں۔ آہمسا کا اصول یعنی جان نہ لینا (جان کو دکھ نہ دینا اور گناہ سے بچنا) اس تعلیم کا اصل الاصول ہے۔ اور ویش چونکہ اس اصول پر کاربند ہیں۔ اس لئے گوشت بالکل نہیں کھاتے۔ لیکن وہ زمانہ کچھ عجیب تھا۔ نئی حکومت کے قدم ہندوستان میں گڑ رہے تھے۔ جدید مغربی تہذیب پھیل رہی تھی۔ آزاد خیالی کا دور دورہ تھا۔ مدرسے کے ایک معمولی طالب علم کا دل بھی غیر معلوم طور پر اپنے مذہب سے عموماً اور اپنے آبا و اجداد کے طور طریق سے خصوصاً پھرنے لگتا تھا۔ اور نئے دماغ ان قدیم خیالات کو جہالت اور ناواقفیت کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسٹر گاندھی بھی اس عام ہوا سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں سچ مچ سے دہریہ بن بیٹھے۔ دھرم کی بنیادیں متزلزل ہوئیں تو عقائد کے کنگورے کس طرح قائم رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اس کا پہلا تباہ کن اثر یہ ہوا۔ کہ ان کے اور ان کے بعض دوستوں کے دل میں یہ یقین جم گیا۔ کہ نباتات کی خوراک پر گزران کرنا حماقت و جہالت ہے۔ اور گوشت خوری تہذیب جدید کا ایک ضروری جزو ہے۔ بچپن کا زمانہ تھا۔ سوچنا سمجھنا کیسا۔ جو خیال دل میں بیٹھ گیا۔ پتھر کی لکیر ہوگیا۔ چنانچہ فوراً آپ نے اعتقاد پر عمل پیرا بھی ہو گئے۔ اور یہ طریق قرار پایا۔ کہ روز شام کو چپ چپاتے کچھ گوشت خریدتے۔ اور ایک ندی کے

کنارے تنہائی کے موقعہ پر چلے جاتے۔ وہاں اُسے بھونتے بھُناتے اور پُر لطف ضیافتیں اُڑاتے ✦

لیکن بچپن سے ماں نے جو تربیت دی تھی۔ وہ ایسی بے حقیقت نہ تھی۔ کہ حرفِ غلط کی طرح دل سے محو ہو جاتی۔ اس چوری چھپے کی حرکت سے ان کا ضمیر ہر وقت مضطرب رہتا۔ عرصے کے عقاید جو ہیچ پچا کر ماں کا دودھ ہو گئے تھے۔ ان سے دفعتہً یوں منحرف ہو جانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ عالمِ تنہائی اور غور و فکر کی ساعتوں میں ایک قسم کا انفعال اور پریشانی شاملِ حال رہنے لگی۔ اور اس پر طرہ یہ مصیبت ہوئی۔ کہ ہر روز گھر میں کھانے پر عذر کیا جاتا۔ کہ بھوک نہیں ہے۔ اس کی وجہ پوچھی جاتی۔ تو سوائے جھوٹ بولنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا تھا۔ اور ایک گناہ کے باعث دوسرا گناہ بھی کرنا پڑتا تھا ماں نے پہلے ہی دن سے صداقت کے بیج ڈالے تھے۔ اور جھوٹ سے نفرت پیدا کر دی تھی۔ چنانچہ ہر وقت آپ کے دل میں ان گناہوں کا احساس رہتا۔ اور عالمِ خیال میں تہذیب اور مذہب کی کشمکش رہا کرتی تھی۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ آخر ماں کی انمول نصیحت اور صداقت کی محبت نے فتح پائی۔ اور آپ نے گوشت کھانا ترک کر دیا ✦

جب آپ نے مٹریکولیشن کا امتحان پاس کر لیا۔ تو خاندان کے ایک شخص نے آپ کو انگلستان جانے اور بیرسٹر بن کر آنے کی رائے دی۔ آپ تو نوجوان تھے طبیعت میں جوش تھا۔ فوراً

تیار ہو گئے۔ مگر ضعیف ماں اپنے لختِ جگر کو سمندر پار بھیجنا کیسے برداشت کرتی۔ اور پھر انہوں نے انگلستان کی آزادانہ طرز زندگی کے متعلق بہت سے ناگوار واقعات سُن رکھے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے ناتجربہ کار نوجوان فرزند کو فتنۂ مغرب کی گوناگوں حرصوں اور بوقلموں ترغیبوں کے حوالے کرنے سے یوں گھبراتی تھیں۔ جیسے دوزخ کے خیال سے۔ فرزند کا ارادہ مصمم تھا۔ چنانچہ ماں کے تمام خوف وخطر پر بیٹے کی خوشی کے خیال نے فتح پائی۔ اور انہیں چارو ناچار اجازت دینی پڑی۔ مگر اجازت دینے سے پہلے انہوں نے اپنے اطمینان کے لئے اتنا کیا۔ کہ بیٹے کو ایک جَین سنیاسی کے پاس لے گئیں۔ اور وہاں بیٹے سے یہ تین قسمیں کھوائیں۔ کہ وہ شراب گوشت اور عورت کو اپنے اوپر حرام سمجھیں گے ؛

انگلستان میں

مسٹر گاندھی جو انگلستان پہنچے۔ تو ایک دنیا ہی نئی دیکھی۔ کہاں مشرق کی سادہ وخاموش زندگی۔ کہاں مغرب کا تصنع سے معمور اور دلچسپیوں سے لبریز طریقِ حیات۔ انہیں وہاں ایک سیدھے سادے ہندوستانی کا گزارا بالکل ناممکن نظر آیا۔ چنانچہ یہ چھوٹتے ہی اپنے آپ کو ایک مکمل انگریزی جنٹلمین بنانے کی کوشش میں ہمہ تن غرق ہو گئے۔ حُسنِ اتفاق یا سوءِ اتفاق سے آپ کے ایک ہندوستانی دوست اُس زمانے میں انگلستان میں مقیم تھے۔ وہ صاحب

اس سمندر کے نہایت کامیاب غواصوں میں سے تھے۔ اور چونکہ انگریزی تہذیب میں خوب ڈوبے ہوئے تھے۔ اس لئے سوسائٹی کی آنکھ کا تارا بن رہے تھے۔ انہوں نے اس موقعہ پر آپ کی دستگیری کی۔ اور آپ کو فیشن کے متعلق درس دینے شروع کئے۔ ان حضرت کی شاگردی میں آپ نے رقص۔ انگریزی اور فرانسیسی موسیقی اور آؤر ایسے کمال حاصل کرنے شروع کئے۔ جو ایک انگریز جنٹلمین بننے کے لئے لازمی ولابدی ہیں۔ گو آپ اپنے ذوق شوق کی لہر میں اس راستے پر بہا گے جا رہے تھے۔ لیکن دل کچھ اس رنگ میں رنگے جانے سے اُلجھتا تھا۔ ماں کے حضور جو قسمیں کھائی تھیں۔ وہ پریشان خیال کی طرح ہر وقت دل و دماغ میں چکر لگاتی رہتی تھیں۔ اور آپ اپنی طرز زندگی کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔

انہیں دنوں ایک روز اتفاق سے آپ کسی دعوت میں مدعو کئے گئے۔ اور وہاں آپ کے سامنے گوشت کا شوربا لایا گیا۔ باقاعدہ ڈنر تھا۔ معزز دوست احباب جمع تھے۔ اور نہایت مہذب طریق سے دعوت ہو رہی تھی۔ اب آپ حیران تھے۔ کہ کیا کریں۔ عجب نازک وقت تھا۔ سوسائٹی کا خیال کہہ رہا تھا۔ کہ خواہ کتنا ہی ناگوار گذرے۔ اس شوربے کو زہر کے گھونٹ کی طرح پی لو۔ ادھر قول و قرار کا خیال رہ رہ کر بجلی کی طرح دل میں چمک رہا تھا۔ حاضرین کے خیال سے ہاتھ بڑھتے تھے۔ مگر ماں کا خیال آتے ہی ٹھٹک کر رہ جاتے تھے۔ دل کہہ رہا تھا۔ کہ اس وقت کا انکار بد تہذیبی کا ثبوت ہوگا۔ اور ضمیر

کہتا تھا۔ کہ اپنا قول توڑنا مذہب کی کمزوری ہے۔ اس کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ طبیعت اس بات پر تل گئی۔ کہ طرز زندگی کے دونو پہلوؤں کے درمیان اسی وقت فیصلہ ہونا چاہیئے۔ وقت کم تھا۔ اور مسئلہ وسیع آپ کے تامل پر حاضرین متحیر تھے۔ اور سب کی آنکھیں آپکے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس اندرونی کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آخر ضمیر نے دل پر فتح پائی۔ اور آپ کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اگرچہ آپ کے وہ دوست جو اس وحشت پُر خطر میں آپ کے رہنما تھے۔ بے انتہا چراغ پا ہوئے مگر آپ نے کسی کی کچھ پروا نہ کی۔ اور محفل سے دفعتہً رخصت ہوگئے۔ گویا سوسائٹی کے ایک بھاری جرم کے مرتکب ہوئے۔ لیکن کیا یہ ارتکاب جرم یہ پتہ نہ دیتا تھا۔ کہ اس شخص کی قوت ضمیری بے انتہا زبردست اور ناقابل فتح ہے +

اس واقعہ کے بعد آپ نے اس نئی روشنی کی طلسمی دنیا اور اس کی تمام دلچسپیوں کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہی۔ قدموں نے رقص چھوڑ دیا۔ انگلیاں بربط کے تاروں کو بھول گئیں۔ فیشن کا پھول مُرجھا گیا۔ اور جونہی مذہب کے آفتاب نے طلوع کیا۔ سوسائٹی کا چراغ ماند ہو کر رہ گیا +

یہ تمام جبر و اختیار ایک ایسی گہری روحانی کشمکش کا پیش خیمہ تھا جس نے آپ کی ہستی کی عمیق ترین حسیات کو بیدار کر دیا۔ اور اس کے بعد آپ کو ضمیر کی ایک یقینی بیداری اور روح کا ابدی سکون حاصل ہوا۔ اب آپ نے ایک نئے چمن میں قدم رکھتے جس کے پھول پھول

میں ایک عجیب روحانی کیفیت تڑپ رہی تھی۔ رازِ ہستی کے ازلی معمے
آپ کے روبرو تھے۔ اور حلِ شافی کا تقاضا کر رہے تھے ۔

یہ کشمکش صرف ذہنی کشمکش اور ایسی عارضی وجدانی کیفیت نہ تھی۔
جو معمولی قسم کے لوگوں پر بھی کبھی کبھی طاری ہو جاتی ہے۔ اور اس کا
ثبوت آپ کی زندگی میں بہت خوب طرح ملتا ہے۔ دنیا کی تمام
عظیم الشان شخصیتوں کی مانند آپ کی روح زندگی کے نئے اور پاک
سانچوں میں ڈھل رہی تھی۔ داخلی اور خارجی نقائص کے ناقابلِ
برداشت احساس نے اور اس روحانی عذاب نے جو قلب پر اپنا
بے انتہا اثر ڈالتا اور بصیرت کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ آپ کو اپنے
حملوں کا آماجگاہ بنا لیا۔ اس نازک موقع پر ایسے دوستوں کی کمی نہ
تھی۔ جنہوں نے آپ کو یہ سمجھانے کی کوشش کی۔ کہ جس آبِ زلال کے
لئے آپ کا دل تشنہ ہے۔ وہ آپ کو دینِ مسیحی میں مل سکیگا لیکن ایسے
ناصحوں کو اپنی کوششوں میں کچھ بھی کامیابی نہ ہوئی۔ اور آخر ناکامی
اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا ॥ اسی زمانے میں آپ نے نہایت غور
وخوض سے بھاگوت گیتا کا مطالعہ شروع کیا۔ اس کتاب کے فقرے
فقرے میں آپ کو وہ سدا بہار پھول بکھرے ہوئے نظر آئے جن
کے شوق میں آپ کی روح مضطرب رہتی تھی۔ آپ کی سنسان زندگی
روح کی پاکیزگی سے آباد ہو گئی۔ اور آپ کو وہ اطمینانِ قلب اور سکون
روحانی حاصل ہوا۔ جو فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ اس وقت آپ کو
وہ مقام حاصل ہو گیا تھا۔ جہاں روح کی جستجو ختم ہو جاتی ہے ॥ اور

طالب سراپا ذوق و شوق ہوتا ہے +

واپسی اور افریقہ کا تعلّق

اس تغیر خیالات اور تقویتِ روحانی کے سوا مسٹر گاندھی کے قیامِ انگلستان کا اور کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں۔ قصہ مختصر آپ نے لندن میں مٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ اور بیرسٹر بن کر ہندوستان واپس آ گئے +

جب آپ بمبئی میں وارد ہوئے۔ تو مدت کے بچھڑے عزیزوں سے ملنے اور پھر ہمیشہ کے لئے انہیں لوگوں میں رہنے کے خیال سے آپ کا دل بہت خورم و شاداں ہو رہا تھا۔ مگر یہاں ایک تازہ مصیبت آپ کی منتظر بیٹھی تھی۔ جو ماں آپ پر اپنی جان قربان کرتی تھی۔ جس نے آپ کو اخلاقی اور مذہبی تباہی سے بال بال بچا لیا تھا۔ اور جس کی آرزوؤں اور امیدوں کے خیالات ہمیشہ اپنے دور افتادہ بیٹے کے وجودِ روشن کے گرد ہالہ بنائے رہتے تھے۔ وہ فرشتہ خصلت خاتون اپنے کامیاب اور قول و قرار کے پکتے بیٹے کی دید سے آنکھیں روشن کرنے کے لئے موجود نہ تھی۔ اُس کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ درد انگیز خبر دانستہ مسٹر گاندھی سے چھپائی گئی۔ اور جب آخر کار مجبوراً سُنانی ہی پڑی۔ تو ان کی کیا حالت ہوئی۔ اُسے کون بیان کرے۔ حالات کا تصوّر کیجئے۔ اور اندازہ لگا لیجئے +

انگلستان سے آنے کے بعد کوئی ڈیڑھ سال تک مسٹر گاندھی

ہندوستان ہی میں رہے - اس میں سے کچھ عرصہ آپ نے بمبئی میں گزارا
اور کچھ مدت اپنے آبائی وطن راجکوٹ میں رہے - اور اس عرصے میں
آپ نے ہندو کتب مقدسہ کا بغور مطالعہ کیا - آپ نے بمبئی ہائیکورٹ
میں پریکٹس بھی شروع کر دی - لیکن آپ کی قسمت وطن سے دور ایک
دوسری سرزمین پر آپ کے آنے کی امید میں آغوش انتظار کھولے بیٹھی
تھی - اور ایک بدنصیب دور ماندہ قوم کے بھٹکے ہوئے افراد منتظر تھے - کہ آپ
کی ہستی کا ستارہ رہنما ان کی رہبری کرے - چنانچہ قدرت نے آپ کے
وہاں پہنچنے کے اسباب بھی پیدا کر دئے +

پوربندر کی ایک دکان کی شاخ پریٹوریا میں تھی - اتفاق سے
جنوبی افریقہ میں اس دکان کا ایک ضروری مقدمہ بن گیا - اور مالکان
دکان کو ایک قانونی مشیر کی ضرورت پڑی - جو افریقہ جا کر اس مقدمہ
کی پیروی کرے - کام کسی قدر طویل تھا - اور خیال تھا - کہ کم از کم سال بھر
کا عرصہ لگے گا - تقدیر کی بات - دکان کے مالکوں نے بہ خدمت مسٹر گاندھی
کے روبرو پیش کی - آپ نے منظور کر لی - اور جنوبی افریقہ چلنے کو تیار ہو گئے

ہندوستانی اور افریقہ

اس موقعہ پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے - کہ ہندوستان کے
لوگ کس طرح جنوبی افریقہ میں پہنچے - اور وہاں اُن کی کیا حالت ہوئی
آدھی صدی سے زیادہ عرصہ گزرا - کہ نٹال کی نوآبادی کو بہت سے
سستے مزدوروں کی ضرورت پیش آئی - تاکہ ان کی مدد سے وہاں کی

پیداوار و دیگر ذرائع آمدنی میں خاطر خواہ ترقی اور افزونی ہو۔ جب تلاش و جستجو کی نظریں چاروں طرف دوڑائی گئیں۔ تو نگاہِ انتخاب نے غریب ہندوستانیوں کو تاکا۔ اور اس ضرورت کے مہیا کرنے کیلئے ہندوستان سب سے اچھا بازار قرار پایا۔ ع

قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

امپیریل گورنمنٹ کی معرفت ہندوستانی گورنمنٹ سے عرض معروض کی گئی۔ اور باہمی گفتگو کے بعد میعاد مقررہ کے لئے عہدنامے کرکے مزدوروں کو افریقہ لے جانے کا قانون جاری ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے کے آغاز ہی میں جب افریقہ اور ہندوستان کے درمیان اس کے متعلق گفت و شنید ہو رہی تھی۔ تو نٹال کی گورنمنٹ نے نہایت پختہ وعدے کرکے گورنمنٹ ہند کو یقین دلایا تھا۔ کہ میعادی مزدوروں سے ان کے زمانہ میعاد میں ہر طرح کی رعایات برتی جائیں گی۔ اور مدت میعاد کے ختم ہونے کے بعد اگر وہ جنوبی افریقہ میں مستقل طور پر اقامت اختیار کرنا چاہیں گے۔ تو ایسی صورت میں ان کے لئے ہر طرح سہولتیں اور آسانیاں پیدا کر دی جائیں گی۔ ان تمام وعدوں پر کچھ عرصے تک تو بخوبی عمل ہوتا رہا لیکن بعد میں صحرائے عظیم کے ہندوستانی دشت نوردوں کے لئے یہ وعدے بدقسمتی سے سراب صفت ثابت ہوئے۔

بہرحال عہد و پیمان کی تکمیل ہونے پر بھرتی کرنے والے ایجنٹوں نے لوگوں کو افریقہ لے جانے کے لئے بھرتی کرنا شروع کیا۔ اور

سیدھے سادے ہندوستانیوں کو یہ کہہ کر بہکانا شروع کیا۔ کہ افریقہ میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں۔ سونا کنکر پتھروں کی طرح بکھرا پڑا ہے۔ گورنمنٹ کے قانون بے انتہا نرم ہیں۔ چنانچہ سادہ لوح کسان آسانی سے ان کے جال میں گرفتار ہو گئے۔ اور ہندوستان کے اس جفاکش فرقے کو ہزاروں کی تعداد میں بھرتی کر کر کے افریقہ بھیجا گیا۔ لیکن جب انہوں نے جہاز سے اتر کر سرزمین افریقہ پر اشتیاق کی نظریں ڈالیں۔ تو تمام خوشگوار تصورات خواب کی طرح محو ہو گئے۔ اور غم و یاس نے ان کی جگہ لے لی +

افریقہ کے مختلف صوبوں میں زندگی کے طبعی اور اخلاقی حالات ایسے تھے۔ کہ اگر فرشتے بھی ان کے زیر اثر رہتے۔ تو درندے بن جاتے۔ غلاموں کے مالک تو اپنی خود غرضی کے باعث کم از کم اپنے انسانی گلّے کی جسمانی حالت کا خیال رکھ بھی لیتے ہیں لیکن میعادی مزدور رکھنے والوں کے دل میں رحم و ہمدردی کی اتنی جھلک بھی باقی نہ رہی تھی +

ان کی قابلِ رحم حالت کا سب سے زیادہ مصیبت ناک پہلو یہ تھا کہ یہ بیچارے آفت کے مارے موعودہ زمانے کے اختتام تک ملازمت کرنے پر مجبور تھے۔ اور ان بیچاروں کو اثنائے میعاد میں یہ حق حاصل نہ تھا۔ کہ اگر ان کے بے رحم آقا ان پر تشدد کریں۔ تو وہ ان کے خلاف کوئی مقدمہ دائر کر سکیں۔ اور اگر کر بھی دیتے۔ تو اس کا کوئی معقول نتیجہ برآمد ہونا خیال خام تھا۔ اول تو میعادی مزدوروں

کے متعلق قوانین ہی غیر منصفانہ تھے علاوہ اس پر مستنزاد یہ کہ ان قوانین پر نہایت ظلم سختی اور درندگی سے عمل کیا جاتا تھا +

جو میعادی مزدور مرسٹ کر اپنے عہد ملازمت کا اجارہ پورا کر چکتا تھا - اور اپنا نام دوبارہ داخل کرنے کا خواہشمند نہ ہوتا تھا اس سے بے انتہا بغض وحسد سے کام لیا جاتا تھا - اس کو ہر ہر قدم پر سو سو مشکلات کا سامنا ہوتا تھا اور ان تمام کوششوں کا مقصد یہ ہوتا تھا - کہ کسی طرح سے انکو آزادی سے گزر اوقات کا موقع نہ ملے - قانون اور سوسائٹی کی متحدہ خواہش تھی - کہ ان مظلوم لوگوں کی پیشانی پر ہمیشہ غلامی کی مہر سیاہ ثبت رہے +

سیکڑوں طریقوں سے یہ بات ہر ہندوستانی کے کانوں تک پہنچائی جاتی تھی - کہ وہ کسی نہایت ادنیٰ اور ذلیل نوع انسان کا فرد ہے - اور سفید رنگت والوں کی زمین کو اپنے ناپاک قدموں سے آلودہ کرنے آیا ہے - اس کی یہ جسارت نہ صرف ایک مہذب قوم نگاہوں میں گناہ ہے - بلکہ خود نیچر کی توہین ہے - اور وہ صرف اس طرح اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر سکتا ہے - کہ یورپین قوم کے لئے جنگل میں سے لکڑیاں کاٹے - کنوئیں میں سے پانی کھینچے - اور اس کی تمام ذلیل سے ذلیل خدمتیں انجام دے +

اس ملک کے دیگر قوانین میں بھی حسب معمول فاتحین کی اس بے جا ترجیح کی جھلک موجود تھی جس کی رو سے آج کل انسان انسان میں رنگ اور قوم کی بنا پر فرق برتا جاتا ہے - مثلاً جن مزدوروں کی میعاد

ختم ہو چکتی تھی - ان کو - ان کی عزیز عورتوں اور ایک خاص عمر تک کے بچوں کو فی کس تین پونڈ کا ایک ناگوار ٹیکس ادا کرنا پڑتا تھا - یہ کیوں کیا اس لئے کہ خدا نے ان کو ایک ایشیائی ملک میں کیوں پیدا کر دیا؟

الغرض جن قانونی - اقتصادی - سیاسی اور معاشرتی تکالیف سے ہندوستانیوں کو اپنا لہو پسینہ ایک کرنا پڑتا تھا - اُن کی مکمل فہرست دینا اور اُن پر آنسو بہانا لاحاصل ہے +

میعادی مزدوروں کے علاوہ وکیلوں - ڈاکٹروں - سوداگروں اور مذہبی مقتداؤں کی بھی ایک مختصر جماعت افریقہ چلی گئی تھی - ان سب کو بلا امتیاز حیثیت و رتبہ ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا تھا غرضیکہ جنوبی افریقہ کے سفید رنگ والوں کی نظر میں سیاہ رنگت ایک قابلِ نفرت و ناپاک ترین چیز تھی - اور ہندوستانیوں کا وجود عارضِ ہستی کے حُسن پر ایک بدنما دھبہ تھا - اور اگر ان کی بے حد ضرورت نہ ہوتی - اور کسی طرح بھی ان کے بغیر کام چل سکتا - تو انسان کی یہ نوع قطعاً نیست و نابود کر دیئے جانے کے قابل تھی - بیچارے غریب مزدور ان کی چین جبیں اور غضب ناک تیوروں سے تھر تھر کانپتے تھے - اور اس قدر مرعوب و مظلوم تھے - کہ اگر ان سے خدا کی تصویر بنانے کو کہا جاتا - تو وہ اس تصویر کے چہرے سفید رنگنے سے تو کبھی نہ چوکتے - جنوبی افریقہ کی ٹرنسوال اور اورینج فری سٹیٹ ریاستوں میں جو اس وقت آزاد تھیں - ہندوستانیوں کے ساتھ سلوک کرنے میں چند باتوں میں کچھ فرق تھا - لیکن بحیثیت

...عی ہندوستانیوں کے لئے بنائے گئے تھے۔ وہ سب غیر منصفانہ تھے۔

اس بات کا علم بھی کچھ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ کن کن مختلف عناصر کی آمیزش اس طرز سلوک کا باعث ہوئی تھی۔ سب سے اول اور مقدم اللہ واسطے کا بیر رنگ اور قوم کی وجہ سے تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ موجودہ مغربی اقوام جو اپنے منہ میاں مٹھو بن کر اپنے آپ کو مہذب کہتی ہیں۔ ان کے نزدیک انسانیت اور تہذیب میں کسی قسم کا تعلق نہیں۔ مغرب میں قومی تعصب کس انتہا کو پہنچا ہے۔ وہ امریکہ کے محکمہ زدوکوب سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔

ہندوستانیوں پر ظلم کرنے کی دوسری وجہ ایک اقتصادی وجہ تھی۔ آزاد ہندوستانی افریقہ میں دوکانیں کھول کر انگریزی تجار کے نہایت زبردست رقیب بن جاتے تھے۔ روکھی روٹی اور ٹھنڈے پانی پر گزر کرنے والے سیدھے سادے ہندوستانی کا خرچ چاپ اور بیرا اڑانے والے انگریز کی نسبت بہت کم ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے اخراجات کے لحاظ سے اشیاء کو ارزاں قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ جس سے انگریزی تاجروں کی تجارت پھیکی پڑنے لگتی تھی۔ تیسرے یہ خیال غالب تھا۔ کہ اس سرزمین پر بلا شرکت غیرے قبضہ واحد رہنا چاہئے۔ یعنی جنوبی افریقہ میں رہتی دنیا تک صرف گوری چٹی صورتیں ہی دکھائی دیں۔ اور سب سے آخر ایک مبہم سا یہ خیال پیدا ہوگیا تھا۔ کہ سیاہ لوگوں کی متواتر مداخلت سے سفید رنگت والوں کی تہذیب

روز بروز زیادہ صورتیں خطرہ میں آرہی ہے۔ نتیجہ یہ تھا۔ کہ ہندوستان نو آبادیات کے مزدوروں کے لئے برطانوی رعایا کے حقوق کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اور ادھر اہل نو آبادی اس فکر میں تھے۔ کہ کسی طرح اپنے پنجۂ ظلم کے گرفتاروں کو ہمیشہ کے لئے نظروں کے سامنے سے دُور کر دیا جائے۔ چنانچہ اُن کے نقطۂ نظر سے اس مسئلے کا حل نہایت آسان تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ آئندہ کسی ہندوستانی کو افریقہ کے ساحل پر قدم رکھنے کی اجازت نہ دی جائے۔ اور جو بدبخت آ چکے ہیں۔ ان کو اس قدر ستایا جائے۔ کہ وہ مجبور ہو کر اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ اور پھر جس طرح بھی ہو۔ اور جتنی تکلیف بھی ہو۔ اسے برداشت کر کے اپنے ہی آدمیوں کا کوئی انتظام کیا جائے۔

مہاتما گاندھی افریقہ میں

جس دن سے مسٹر گاندھی نے ساحلِ افریقہ پر قدم رکھا۔ بار بار اُنہیں تلخیٔ غم کے وہی گھونٹ پینے پڑے۔ جو اس وقت آفت زدہ ہندوستانیوں کی قسمت میں لکھے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ مسٹر گاندھی عدالت میں موجود تھے۔ کہ حاکمِ عدالت نے نہایت گستاخی سے آپ کو یہ حکم دیا۔ کہ اپنی بیرسٹری کی پگڑی سر پر سے اُتار دیں۔ حاکم کے دل میں اگر رواداری کی ذراسی جھلک بھی ہوتی تو وہ سمجھ لیتا۔ کہ ایک شریف آدمی کے دل پر اس حکومت کا کیا اثر ہوگا۔ لیکن حاکم کا دل ایسے احساسات سے بالکل خالی تھا۔

مجبوراً مسٹر گاندھی اسی وقت عدالت سے رخصت ہو گئے +

بہ نو ؔبسم اللہ ہی تھی - آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ آئندہ تجربات ایسے تھے - کہ تمام گذشتہ ذلتیں ان کے سامنے کچھ حقیقت نہ رکھتی تھیں - مثلاً ایک دفعہ آپ ایک ریلوے ٹرین میں سوار ہو کر ٹرانسوال جا رہے تھے - کہ گارڈ نے آکر نہایت بدتہذیبی سے آپ کو حکم دیا - کہ فرسٹ کلاس درجے سے باہر ہو جائیں - اور اسباب لادنے کی گاڑی میں چلے جائیں - چونکہ آپ فرسٹ کلاس کا کرایہ ادا کر چکے تھے - اور اس میں سفر کرنے کا آپ کو پورا حق تھا آپ نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا - اس پر گارڈ نے نہایت وحشیانہ طور پر آپ کو گاڑی سے کھینچ کر نیچے اتار دیا - اور آپ کے ساتھ ہی آپ کا تمام اسباب اٹھا کر باہر پٹک دیا - آپ حیران کھڑے تھے - کہ گاڑی بھاپ نکالتی ہوئی آگے روانہ ہوئی +

ٹرانسوال میں اس سے بھی بدتر واقعات ظہور پذیر ہوئے - آپ پریٹوریا جاتے ہوئے ایک گاڑی کے کوچ بکس پر بیٹھے تھے کہ اتنے میں گارڈ نے آکر وہاں سے اتر جانے کا نادر شاہی حکم سنایا - کیونکہ آنجناب وہاں بیٹھ کر کچھ دیر سگرٹ پینے کا شغل کرنا چاہتے تھے - مسٹر گاندھی نے انکار کیا - تو اس پر اس بے ادب نے نہایت زور سے دو مکے رسید کئے - اسی طرح پریٹوریا میں ایک سنتری نے آپ کو ٹھوکر مار کر سڑک پر سے ہٹایا +

غرض اس قسم کے برتاؤ اتنے بہت ہیں - کہ اگر سب لکھے

جائیں۔ تو ان کی فہرست بہت طویل ہوگی۔ معہذا ان کے اعادے سے پیچ وتاب کھانے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جانے کے سوا اور کیا حاصل ہے +

افریقہ میں مستقل اقامت

جس مقدمے کی پیروی کے لئے مہاتما گاندھی افریقہ تشریف لے گئے تھے۔ وہ ختم ہوگیا۔ تو آپ نے ہندوستان رخصت ہونے کی تیاری شروع کی۔ اور ہندوستانیوں نے آپ کی رخصت پر ایک الوداعی جلسہ منعقد کیا۔ جس دن شام کو جلسہ تھا۔ اسی دن شام کو مسٹر گاندھی نے ایک مقامی اخبار میں دیکھا۔ کہ نوآبادی کی پارلیمنٹ میں عنقریب ایک قانون پیش کیا جانے والا ہے جس کے ذریعہ ہندوستانیوں کے رہے سہے حقوق بھی چھن جائیں گے۔ اور اسی قسم کے چند اور قوانین بھی عنقریب پیش ہونے کو ہیں +

اپنی خداداد دور اندیشی سے آپ نے اس نازک موقع کی اہمیت کو تاڑ لیا۔ اور الوداعی جلسے کے حاضرین کو تفصیل سے بتایا۔ کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانی جماعت کی تباہی اور بربادی کا سخت اندیشہ ہے۔ اور اگر ہندوستانی آئندہ تباہی سے بچنا چاہتے ہیں۔ تو انہیں فوراً کوئی معقول بندوبست کرنا چاہئے +

آپ کی تحریک پر نوآبادی کی پارلیمنٹ میں ایک پیغام بھیجا گیا جس میں درخواست کی گئی تھی۔ کہ اس قانون کو کچھ عرصے کے لئے

ملتوی کیا جائے - اور اس پیغام کے بعد ہی - نئے قانون سے
نارضامندی ظاہر کرنے کو ایک طولانی دستخطی محضر تیار کر کے حکام
کے پاس بھیجا گیا - کہ اس کے متعلق حکام کو اپنی رعایا کے احساسات
معلوم ہو جائیں - لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے
چنانچہ قانون پاس کر دیا گیا +

اب ایک اور درخواست تیار کی گئی - اور اس پر بھی بہت
سے دستخط کرا کے انگلستان میں سیکرٹری نو آبادی کی خدمت میں
بھیجی گئی - بارے اس کا اتنا اثر تو ہوا - کہ قانون مذکور کے متعلق
شاہی رضامندی روک دی گئی لیکن حکام نے ایک اور قانون بنا
کر پاس کر لیا - جو گو اس قانون سے بظاہر کسی قدر مختلف تھا - لیکن
اس کے ذریعے بھی حکام کو وہی طاقت و قدرت حاصل ہوتی تھی -
جو پہلے قانون کے ذریعے ہوتی - یہ موقع تھا - جب مسٹر گاندھی نے
نہایت ہمت و جرأت سے یہ تحریک کی - کہ ایک مرکزی انجمن کی بنیاد
پڑنی چاہئے - جو جنوبی افریقہ میں ہندوستانی فوائد کی نگرانی کیا کرے
یہ تحریک نہایت مفید تھی - لیکن وہاں پر کوئی آدمی اس قابل نہ تھا -
جو اس انجمن کو چلا سکتا - چنانچہ آپ ہی سے درخواست کی گئی - کہ اگر
اس قسم کی کسی انجمن کا قائم کرنا منظور ہے - تو وہ خود جنوبی افریقہ میں
رہنا منظور فرمائیں +

وہاں کے چند نامور ہندوستانیوں نے یہ بھی کہا - اگر مسٹر گاندھی
وہاں قیام کرنا منظور فرمائیں - تو وہ خود ان کی آمدنی کے ذمہ وار بننے

کو تیار ہیں - قوم کا درد تھا - اہلِ وطن کی محبت تھی - اپنا دل خون خون تھا - آپ نے وہاں رہنا منظور فرما لیا - اور اپنا نام نٹال کی عدالتِ عظمیٰ میں نامزد کرانے کی درخواست دے دی - ہندوستان کی سیاہ بختی ان کے آگے آگے سوئے ہوئے فتنوں کو جگانے کے لئے تیار رہتی ہے - چنانچہ اوّل اوّل آپ کی اس درخواست کی منظوری پر بھی اعتراض کیا گیا - لیکن آخر آپ کا نام باقاعدہ نامزد ہو گیا +

اس طرح مادرِ وطن کی دودھ کی محبت کے باعث ہندوستان کے اس فرزندِ رشید کا افریقہ کے ساتھ وہ تعلق شروع ہوا جو عروسِ تاریخ کی جبیں پر ہمیشہ ہمیشہ افشاں کی مانند چمکتا رہے گا +

اخلاقی نقطۂ نظر سے آپ کی پبلک زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کام جنوبی افریقہ میں اقامت اختیار کرنے کا ایثار تھا - پڑھنے والے پڑھ لیتے ہیں - اور سننے والے سن لیتے ہیں - کہ آپ نے وہاں قیام کرنا منظور فرما لیا - مگر اس کام کی قدر و وقعت اُسی وقت معلوم ہوتی ہے - جب اُن کے اس ایثار پر عمیق نگاہ سے غور کیا جائے - ایک نوجوان جو مغربی ممالک سے تمغہ کامیابی حاصل کر کے آیا ہے جس کے سامنے عزت و دولت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں - جسے شہرت کی دیوی مسکرا مسکرا کر اپنی جانب متوجہ کر رہی ہے - وہ ایک عارضی معاملے کے لئے اپنے وطن سے دور ایک اجنبی سرزمین میں جاتا ہے - اور وہاں اہلِ وطن کی زدہ حالت کا اس پر اس قدر اثر ہوتا ہے کہ وہ اپنے عالمِ خیال کی روشن دنیا اور

اس کی امیدوں پر لات مار کر اہلِ وطن کی خدمت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر مصائب کا سامنا ہے۔ کامیابی کی کوئی امید نہیں عزت و حرمت کے علاوہ جان بھی معرض خطر میں ہے۔ لیکن مادرِ وطن کی محبت ہے۔ کہ سب خطرات پر غالب آتی ہے۔ اور وہ عزمِ مصمم کے ساتھ سب مصائب کو برداشت کرنے کے لئے سینہ تان لیتا ہے کتنے لوگ ہیں۔ جو اس موقعہ پر یہی راہ اختیار کرتے۔ قومی خدمت کو اپنے ذاتی فوائد سے بلند سمجھتے۔ جس سرزمین کو سب نے بنجر سمجھکر ناقابلِ توجہ قرار دے دیا تھا۔ اس کو زرخیز بنانے کے لئے سر توڑ کوششیں کرتے۔ کون ہے۔ جو یہ کہے۔ کہ یہ خلوص نہیں تھا۔ بلکہ خواہشِ شہرت تھی؟

جس روز سے مسٹر گاندھی نے قومی خدمت کا مصمم ارادہ کیا۔ اسی دن سے اس کے سر انجام دینے میں بے حد منہمک ہو گئے۔ آپ کی سب سے پہلی کوشش یہ تھی۔ کہ جنوبی افریقہ میں اپنے ہم وطنوں کو اس قابل بنا دیں۔ کہ کم از کم اُن کی صدائے درد و کرب حُکّام کے کانوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے تمام ملک میں متعدد انجمنوں کی بنیاد ڈالی۔ اور لوگوں کو باضابطہ اور معقول شورش کرنے کے طریقے بتائے۔ کئی جلسے اور کانفرنسیں منعقد کی گئیں۔ اور عرضیاں اور میموریل بنا بنا کر حکام کی خدمت میں روانہ کئے گئے لیکن ؎

سنتا ہے کون نالہ و فریادِ عندلیب
سرمست ہے چمن میں پیالہ چڑھائے گُل

چونکہ آپ بالکل تنہا تھے۔ اور جو کام آپ نے اپنے ذمے لیا تھا۔ وہ ایک آدمی کے بس کا نہ تھا۔ اَور مددگاروں کی بھی ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے چند لائق اور پُرجوش نوجوان جمع کئے۔ اور اُن کو پبلک کام کرنے کی نہایت عمدہ تعلیم دی۔ سب سے بڑی بات اور سب سے بڑی مثال آپ کی اپنی زندگی تھی۔ یہی آپ کے ہر ایک کام میں ایک عجیب روح پھُونک دیتی تھی۔ اور آپ کی ہدایات پر عمل کرنے والوں کے دلوں پر جادو کا سا اثر کرتی تھی +

آپ بڑے چھوٹے اور امیر غریب سب سے یکساں طور پر خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ ضرورت مند کو فوری امداد اور مصیبت زدہ کو نہایت محبت سے تسلی وتشفی دیتے تھے۔ اور ذلیل سے ذلیل شخص کی خدمت کے لئے بھی بے انتہا مستعدی سے تیار ہو جاتے تھے۔ غرض آپ نے اپنے خلوص اور بے غرضی سے سب کے دلوں پر اس قدر گہرا نقش بنا دیا۔ اور ایک ایسا اثر قائم کیا۔ جو زمانے کے ساتھ ساتھ بے انتہا عزت واحترام کی شکل میں تبدیل ہوتا گیا +

ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ بمصداق خدا پنج انگشت یکساں نکرد۔ یورپین جماعت میں بھی بعض ایسے کشادہ دل نیک اور راستباز افراد تھے۔ جو آپ کی ہستی کو نہایت پاکیزہ اور بہترین صفات انسانی کا مظہر سمجھتے تھے۔ اور ان کی عزت کرتے تھے +

ہندوستان میں آکر پھر افریقہ واپس جانا

۱۸۹۶ء میں مسٹر گاندھی افریقہ سے ہندوستان روانہ ہوئے

اور ارادہ کیا۔ کہ اس مرتبہ اپنے اہل وعیال کو بھی اپنے ہمراہ افریقہ لے آئیں۔ جنوبی افریقہ میں آپ نے جو عظیم الشان کارہائے نمایاں کیئے ان کی خبریں آپ کے ہندوستان آنے سے پیشتر یہاں پہنچ چکیں۔ اور زبان زد خاص وعام ہو چکی تھیں۔ چنانچہ ہندوستان میں وارد ہونے کے بعد آپ جہاں کہیں بھی گئے۔ ہر جماعت اور ہر طبقے کے ہندوستانیوں نے آپ کا نہایت سرگرم اور پرجوش استقبال کیا۔ جناب ریوٹر ہمارے قدیم عنایت فرما ہیں۔ آپ نے کیا کیا۔ کہ مسٹر گاندھی نے جتنی تقریریں ہندوستان میں کیں۔ ان کے انتخاب کا ترجمہ کر کے جنوبی افریقہ روانہ کرتے رہے۔ اور وہاں کے لوگوں کو یہ کہہ کہہ کر برانگیختہ کیا۔ کہ مسٹر گاندھی ہندوستانیوں کو بتا رہے ہیں۔ کہ افریقہ والے ہندوستانیوں سے وحشی درندوں کا سا سلوک کرتے ہیں۔ اور طرح طرح کے ظلم وستم ان پر روا رکھتے ہیں + نوآبادی کی گورنمنٹ نے جو یہ سنا۔ تو ان کے غصے اور طیش کا کیا ٹھکانا تھا۔ خون کھول گیا۔ مسٹر گاندھی کے خلاف دانت پیسنے لگے یکے بعد دیگرے بہت سے جلسے کئے۔ اور ان میں مسٹر گاندھی کو نہایت برے الفاظ میں مطعون کیا +

اسی دوران میں افریقہ کے ہندوستانیوں نے مسٹر گاندھی کو نہایت تاکیدی خطوط بھیجے۔ اور ان میں لکھا کہ وہ اب ایک لمحہ کی بھی دیر نہ لگائیں۔ اور فوراً نال واپس چلے آئیں + ان خطوط کی تعمیل میں آپ فوراً ہندوستان سے روانہ ہو گئے +

جس روز مسٹر گاندھی جہاز میں سوار ہو کر بمبئی سے رخصت ہوئے اس کے دو دن بعد بمبئی سے مسافروں کا ایک اَور جہاز روانہ ہوا۔ جس میں کوئی چھ سو کے قریب ہندوستانی مسافر تھے۔ دونو جہاز ایک ہی روز ڈربن پہنچے۔ لیکن وہاں وہ دونو جہاز مسافروں سمیت ایک غیر محدود عرصے کے لئے روک دیئے گئے۔ اور بہانہ یہ کیا گیا۔ کہ ہم اپنا اطمینان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ ان جہازوں کے مسافروں میں سے کسی کو کوئی وبائی مرض تو نہیں ہے۔ اس عرصے میں ڈربن میں بڑی بڑی باتیں واقع ہو رہی تھیں۔ نوآبادی کے لوگ اس پر تُلے ہوئے تھے۔ کہ اب ایشیا کے کسی باشندے کو اپنے ساحل پر اُترنے نہ دینگے بڑے بڑے انتظامات ہو رہے تھے۔ ہندوستانیوں کو واپس بھیجنے کے متعلق نہایت غور و خوض سے بحث ہو رہی تھی۔ اور اس امر پر خاص توجہ کی جا رہی تھی۔ کہ اس کارروائی سے اپنے کاروبار کو نقصان پہنچنے کا تو کوئی احتمال نہیں۔ یہ تو اظہر من الشمس تھا۔ کہ نَو آبادی والے اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے سب کچھ کر گزرینگے اور بعض جوشیلے اور من چلے حضرات نے تو یہاں تک رائے دی۔ کہ جہاز ہی ڈبو دئے جائیں +

آخر کار مسٹر گاندھی کو یہ پیغام بھیجا گیا۔ کہ اگر انہوں نے یا اُن کے ہم وطنوں میں سے کسی نے ساحل پر اُترنے کی کوشش کی۔ تو یہ سمجھ رکھیں۔ کہ بے انتہا مصائب کا سامنا ہوگا۔ لیکن اس دھمکی کا اثر کچھ نہ ہوا۔ جس روز تازہ وارد ہندوستانی مسافروں کے اُترنے

کی توقع تھی - اس دن بندرگاہ پر نوآبادی والوں کی ایک کثیر جمعیت
جمع ہوگئی - اور ان سب نے اس قدر شور و غل مچایا - اور لعنت
ملامت کے اتنے نعرے بلند کئے - کہ خدا کی پناہ - آخر نٹال کے
اٹارنی جنرل نے اس غضب آلود مجمع کو مخاطب کرکے وعدہ کیا -
کہ پارلیمنٹ بہت جلد اس مسئلے کی جانب توجہ مبذول کرے گی -
اس کے بعد ملکہ کا واسطہ دے کر اُن کو حکم دیا - کہ وہ منتشر ہو جائیں
چنانچہ اس طرح تمام مجمع منتشر ہو کر رخصت ہوگیا ❖

مسٹر گاندھی اپنے ہمراہی مسافروں کے ساتھ جہاز سے اُترے -
اپنے بیوی بچوں کو آگے آگے ایک دوست کے گھر بھیج دیا - اور پھر
خود شہر کو روانہ ہوئے - چند آوارہ بدمعاشوں نے فوراً اُنہیں پہچان
لیا - اور اتنا شور مچایا - کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے - مسٹر گاندھی کے
ہمراہیوں نے یہ مناسب سمجھا - کہ اُن کو ایک رکشا میں بٹھا کر لے جائیں
چنانچہ ایک رکشا منگائی گئی - مگر تمام رستہ آدمیوں سے پٹ گیا تھا -
رکشا چلنی مشکل ہوگئی - اور مسٹر گاندھی کو رکشا سے اُترنا پڑا - آخر
آپ اپنے ایک یوروپین دوست کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے -
لیکن جب ایک گلی کے قریب پہنچے - تو بھیڑ کا زور اس قدر بڑھ
گیا - کہ دونو دوست بچھڑ گئے - اور مجمع نے مسٹر گاندھی کو زدوکوب
کرنا شروع کیا - پولیس نے آکر مداخلت کی - اور آپ کو ایک دوست
کے گھر پہنچا دیا - لیکن سپرنٹنڈنٹ پولیس نے یہ خطرہ ظاہر کیا - کہ
جوشِ غضب میں لوگ مکان کو آگ لگا دینگے - چنانچہ مسٹر گاندھی

کو مجبور کیا گیا۔ کہ وہ پولیس کانسٹبل کی وردی پہن کر نکل جائیں۔ اور پولیس اسٹیشن میں جا کر پناہ لیں۔ نو آبادی والوں کا یہ جوش و خروش کچھ عرصے کے بعد سرد پڑ گیا۔ اور معاملات نے پھر سابقہ صورت اختیار کر لی +

انگریزوں اور بوئروں کی لڑائی اور مسٹر گاندھی

۱۸۹۹ء میں اکتوبر کا مہینہ تھا۔ کہ انگریزوں اور بوئروں کے درمیان جنوبی افریقہ کی جنگ شروع ہو گئی۔ مسٹر گاندھی نے اپنی لیڈری کا حق ادا کیا۔ اور فوراً اندازہ لگا لیا۔ کہ برطانوی ہندوستانیوں کے لئے یہ ایک زریں موقع ہے۔ کہ ملک کی امداد کر کے اپنی خودداری اور مستعدی کا ثبوت دیں۔ اور گورنمنٹ کی نظر عنایت اپنی جانب مبذول کر لیں۔ چنانچہ آپ کی صدا پر جنوبی افریقہ کے سیکڑوں ہندوستانی نہایت خوشی سے والنٹیئر بننے پر رضامند ہو گئے۔ اور جنگی امداد کے لئے ہندوستانیوں کی ایک اچھی خاصی جماعت تیار ہو گئی۔ لیکن حکام نے نہایت حقارت سے اُن کی درخواست کو مسترد کر دیا +

دوبارہ درخواست کی گئی۔ لیکن اس دفعہ بھی وہی سلوک ہوا۔ مگر کچھ عرصے بعد جب برطانوی فوجوں کو جنگ میں نقصان پہنچا۔ تو آدمیوں کی قدر معلوم ہوئی۔ اب ایک ایک آدمی کی مدد بھی بہت تھی۔ چنانچہ مجبوراً مسٹر گاندھی کی وہ پہلی درخواست منظور کر لی گئی۔ اور

فوراً ایک ہزار کے قریب ہندوستانی تیار ہو گئے۔ اور ان سے ایک جمعیت تیمارداران بنائی گئی۔ کہ زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اُٹھا کر اسپتال پہنچانے میں امداد دیں۔ ہندوستانیوں نے اس موقع پر جیسی خدمت کی۔ اُس کے متعلق کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ جنوبی افریقہ والے خود بھی اس کے قائل ہو گئے تھے۔ ایک اور موقع پر ہندوستانی اس کام پر لگائے گئے۔ کہ جس صف پر گولہ باری ہو رہی تھی۔ وہاں سے زخمیوں کو اُٹھا کر بیس میل کے فاصلے پر لے جائیں ❊

جس وقت لڑائی زور شور سے جاری تھی۔ تو میجر بیپنے جو فوج کی کمان کر رہے تھے۔ مسٹر گاندھی کے پاس آئے۔ آپ اس وقت ایک والنیٹر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ میجر بیپنے نے درخواست کی۔ کہ اگر ہندوستانی اس صف کے اندر کام کریں جس پر گولہ باری ہو رہی ہے۔ تو بے انتہا قابلِ قدر خدمت ہو گی۔ مسٹر گاندھی نے بقیہ والنیٹروں سے کہا۔ ان سب نے ان کے ارشاد کی تعمیل کی اور نڈر ہو کر اپنے آپ کو گولوں کی بوچھاڑ کے مقابل کر دیا۔ اُس دن بہت سے ہندوستانیوں کی جانیں ضائع ہوئیں ❊

جنگ ختم ہو گئی۔ اور ٹرنسوال پر گورنمنٹ برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ مسٹر گاندھی اس خیال میں تھے۔ کہ چونکہ ملکہ معظمہ کے برطانوی ہندوستانی باشندوں سے بدسلوکی برتنا بھی جنگ کا ایک باعث تھا اس لئے جدید گورنمنٹ کے زیر انتظام وہ تمام مصائب گئی گزری باتیں

ہو جائیں گی چنانچہ آپ اس خیال میں ہندوستان واپس آگئے۔ اور
سوچا۔ کہ اب واپس جانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ لیکن ؏

ما درچہ خیالیم وفلک درچہ خیال

جدید گورنمنٹ کی چھنگلی بوئروں کی ران سے بھی زیادہ موٹی
نکلی۔ اگر بوئروں نے ملکہ معظمہ کی ہندوستانی رعایا کو کوڑوں سے مارا
تھا۔ تو جدید گورنمنٹ نے انہیں بچھوؤں سے ڈسوایا۔ ایک نیا ایشیائی
محکمہ قائم کیا گیا۔ جو ایشیا والوں کو ایک علیحدہ نوعِ انسان خیال کرے
اور ان سے ایسا سلوک کرے۔ جس کے وہ مستحق ہوں۔ ایشیا والوں
کو افریقہ سے خارج کرنے کی ایک نہایت عیارانہ تجویز ہو رہی تھی۔
اور مستقبل تاریک اور پُرخطر تھا۔ چنانچہ مسٹر گاندھی کو پھر اپنے
کارزارِ جفاکشی میں واپس آنا پڑا۔ آپ نے حکام سے ملاقات
کی۔ مگر انہوں نے فرمایا۔ کہ آپ کو اس معاملے میں دخل دینے کی
کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہم خود یہاں موجود ہیں۔ اور ہر چیز کا
خیال بخوبی رکھ سکتے ہیں +

اس زمانے میں مسٹر چمبرلین جنوبی افریقہ میں تھے۔ پریٹوریا
میں ایک وفد تیار کیا گیا۔ کہ آپ کی خدمت میں پیش ہو۔ مگر اس وفد
کو اس بنا پر باریابی کی اجازت نہ دی گئی۔ کہ مسٹر گاندھی بھی اس وفد
میں موجود تھے۔ چنانچہ صاف کہا گیا۔ کہ اگر مسٹر گاندھی کو علحدہ کر دیا
جائے۔ تو وفد کو ملاقات کی عزت مل سکتی ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر
ہوتا ہے۔ کہ مسٹر گاندھی کا نام حکام کے کانوں کے لئے بے انتہا ناگوار

بنتا جا رہا تھا۔ مگر مسٹر گاندھی ان باتوں کی پروا کرنے والے نہ تھے۔ بلکہ آپ نے عزم مصمم کر لیا۔ کہ مجالس قانونی میں نہایت مردانگی سے اپنے مقاصد کے لئے لڑینگے۔ چنانچہ آپ نے اپنا نام پریٹوریا کی عدالتِ عظمےٰ میں داخل کرالیا۔

افریقہ کے ہندوستانیوں کی خدمات

اس زمانے میں مسٹر گاندھی کو ایک ایسے زبردست اور طاقتور اخبار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جو ایک تو جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کو مناسب تعلیم دے سکے۔ اور دوسرے ان کے صحیح خیالات اور رایوں کا اظہار کا عمدہ ذریعہ ہو۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں ایک پریس خریدا گیا۔ اور "انڈین اوپینین" کے نام سے ایک اخبار عالم وجود میں آیا۔ پرچہ انگریزی۔ تامل۔ گجراتی اور ہندی چار مختلف زبانوں میں شائع ہوا کرتا تھا۔ شروع شروع میں اس پرچے کو کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ اتنا نقصان ہوا۔ کہ تنہا مسٹر گاندھی کو اپنی جیب سے دو ہزار پونڈ کی رقم بھرنی پڑی۔ اگرچہ آئندہ سالوں میں پرچے کی حالت کسی قدر سدھر گئی۔ جنوبی افریقہ میں اس نے بہت طاقت حاصل کرلی۔ اور حال کی کشمکشوں میں بھی بے حد قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ مگر کبھی مالی کامیابی کا ذریعہ نہ بنا۔

۱۹۰۴ء کا زمانہ تھا۔ کہ جوہانس برگ کے ہندوستانی جماعت میں طاعون پھوٹ پڑا۔ خدا جانے۔ میونسپل حکام کو اطلاع نہ ملی۔

یا انہیں ہمدردی نہ تھی۔ کیا تھا۔ جو انہوں نے توجہ نہ کی۔ لیکن مسٹر گاندھی فوراً موقع پر پہنچے۔ اور وہاں کی حالت دیکھ کر حکام کو پیغام بھیجا۔ کہ اگر فوری تدارک کی تدبیریں نہ کی گئیں۔ تو عنقریب بیماری وبا کی صورت اختیار کرلے گی۔ لیکن اس کا بھی کوئی جواب نہ آیا۔ حکام بالکل خاموش رہے۔ اور ادھر طاعون کا یہ زور ہوا۔ کہ مٹھی بھر آدمیوں میں سے صرف ایک دن میں اکیس آدمی صیاد اجل کا شکار ہو گئے +

آخر مسٹر گاندھی نے اپنے تین چار شریف ہمراہیوں کے ساتھ جاکر ایک ہندوستانی گودام جو خالی پڑا تھا۔ کھول لیا۔ اور مریضوں کو وہاں پہنچا کر ان کی خبرگیری اور تیمارداری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اس کے بعد میونسپل حکام بھی جمائیاں لے کر جاگے۔ اور ضروری تدابیر عمل میں لائے۔ ایک مہینے تک طاعون کی دستبرد جاری رہی۔ اور اس عرصے میں کوئی ایک سو آدمی اس وبا کی بھینٹ چڑھ گئے۔ نہ معلوم وبا کیسی خطرناک صورت اختیار کر لیتی۔ مگر یہ صرف اس شخص کی بہادرانہ کوشش و ایثار اور اس کے معتقد ہمراہیوں کی سرگرم مساعی تھیں۔ کہ وبا اس قدر جلد رک گئی۔ اور پھر صحت و تندرستی کا دور شروع ہوا +

اس زمانے میں مسٹر گاندھی نے انگلستان کے مشہور مصنف جان رسکن کی تصنیف "ان ٹو دی لاسٹ" کا مطالعہ کیا۔ اُن کے دماغ پر اس کا نہایت عمیق اثر ہوا۔ دیہاتی زندگی کی خوبیوں کے متعلق مصنف کے خیالات نے آپ کے دل کو اُمنگوں سے بھر دیا۔

چنانچہ طاعون کے رُکتے ہی آپ نٹال گئے۔ اور فنکس پر زمین کا ایک قطعہ خرید کیا۔ جو ایک سرسبز شاداب سرزمین پر پہاڑ کی جانب واقع تھا۔ وہاں مکان بنائے۔ اور پہاڑ کے پہلو پر ایک اچھا خاصہ گاؤں آباد ہو گیا۔ جو فنکس سٹل منٹ کے نام سے مشہور ہے۔ سادہ زندگی بسر کرنے کے متعلق مسٹر گاندھی کے دل میں جن خیالات کا سمندر موجزن رہا کرتا تھا۔ ان پر آپ نے اس خاموش اور سنسان مقام پر اقامت پذیر ہو کر عمل کرنا شروع کیا۔

یہ مقام گویا شہر کی گہما گہمی اور دنیا کی مصروفیتوں سے فراغت پا کر سکون و اطمینان سے وقت بسر کرنے کی جگہ تھی۔ جہاں مرد اور عورتیں فطرت سے قرب حاصل کریں۔ اور اپنی زندگی اور اپنے دماغ کو کچھ دیر کے لئے تمام تصنع اور آرائشوں سے جُدا کر کے اپنی ہستی کے سرچشمے سے قریب تر ہو جاتی ہیں۔

یہ ایک آشرم تھا۔ یعنی پاکیزگی اور اطمینان حاصل کرنے کا مقام۔ اس کے ممبروں میں باہمی ایک روحانی برادری قائم تھی۔ اور اس برادری میں عہدے یا درجے کی بنا پر کسی کو تفوق نہ تھا۔ یہ مکمل مساوات کا مقام تھا۔ ایک دربار تھا۔ جس میں سب بادشاہ تھے۔ اور سب غلام۔ سب کو یکساں محنت مشقت کرنی پڑتی تھی۔ اور یہ ان کے لئے موجب عزت و مسرت تھا۔ پاس ہی ایک قطعہ زمین کا تھا۔ وہاں سب ممبروں کو کھدائی۔ جتائی وغیرہ زراعت کے کام کرنے پڑتے تھے۔ مسٹر گاندھی خود بھی افریقہ کے دورانِ قیام

میں اپنے اوقاتِ فرصت اسی گاؤں میں بسر کیا کرتے تھے۔ اور
دوسرے ممبروں کی طرح زراعت کے کام میں حصہ لیا کرتے تھے
لیکن انہیں اپنی اس عظیم الشان اسکیم کی تکمیل میں بہت بڑا مالی ایثار
کرنا پڑا۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ اس آشرم کی اسکیم نے ان کو قطعی نادار
کردیا +

اسی مندر میں مسٹر گاندھی نہایت سخت تپسیا کیا کرتے تھے
یہیں انہوں نے اپنے اوپر اور اپنے تمام خاندان پر محنت و مشقت
کا بھاری جوا رکھا۔ اور ہر قسم کے عیش و آرام سے قطع تعلق کرلیا۔
وہ نہایت معمولی اور ادنےٰ درجے کا لباس پہنتے۔ اور "خوردن برائے
زیستن و ذکر کردن است" کے مقولے پر عمل کرتے۔ یعنی صرف اسی
قدر خوراک کھاتے تھے۔ جو جسم و روح کے تعلق کو برقرار رکھے۔ کھلے
آسمان کے نیچے ایک معمولی کمل بچھا کر سوتے تھے۔ لیکن کائنات
ایک ایسے شخص کو جس کی روحانیت فطرت کے انتہائی دامن چھوتی
تھی۔ اپنی آغوشِ آرزو میں غافل و محوِ خواب دیکھ کر نہال نہال ہو
جاتی تھی۔ آپ اپنے جسم کو بھوک اور فاقوں سے مار رہے تھے۔ اور
اپنے دل پر اقتدار حاصل کرتے جاتے تھے۔ آپ کی روح کو حیرت
انگیز قوت و طاقت مہیا ہو رہی تھی۔ اور یہ مسلّم ہے۔ کہ روح کی طاقت
دنیا کی حکمرانی ہے +

سنہ ۱۹۰۶ء میں زولوؤں نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ مسٹر گاندھی
نے پھر بھی ایک ہندوستانیوں کی جماعت بنائی کہ زخمیوں کو اسپتال

پہنچانے کا کام سرانجام دیں۔ اس جماعت نے بعد میں نرسوں کا کام بھی دیا۔ اور خود مسٹر گاندھی زخمی زولوؤں کی مرہم پٹی کرتے رہے۔ فنکس آشرم کی بنیاد رکھنا اور زولوؤں کی تیمارداری شفق کی اُس سرخی کی مانند تھی۔ جو عنقریب آفتاب عالمتاب کے برآمد ہونے کا اعلان کیا کرتی ہے۔

نیا قانون اور خاموش مقابلہ

۱۹۰۶ء کا زمانہ تھا۔ کہ ٹرنسوال کی جدید گورنمنٹ نے ایک نیا قانون پاس کیا۔ جو تمام اہلِ ایشیا کے حق میں نہایت مضرت رساں تھا۔ چنانچہ ایک دن صبح کو جو ایشیا کے فرزند ٹرنسوال میں بیدار ہوئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حکام نے ان سب کو اس لئے طلب کیا ہے۔ کہ جن مزدوروں کی میعادِ مزدوری ختم ہو چکی ہے۔ وہ دوبارہ انگوٹھے کا نشان دے کر از سرِ نو اپنے نام درج رجسٹر کرائیں گویا تمام اہلِ ایشیا سے مجرموں کی مانند سلوک کیا جا رہا تھا۔ اور انہیں زبردستی مزدوری پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اور پھر بھی یہ بے فکر شفقت لوگ اور اُن کے ہم وطن اس ایشیائی پیغمبر کے گلے کی بھیڑیں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے جس نے اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیا تھا۔ کہ بنی نوع انسان کے درمیان یوں گزر اوقات کریں۔ جیسے بھیڑیں بھیڑیوں میں۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے۔ کہ مغربی اقوام آج تک سیاہ رنگ کی قوموں کے ساتھ جو سلوک کرتی آئی ہیں۔ ان میں کبھی اِس

حکم کی تعمیل کی جھلک بھی دکھائی دی ہے۔ اگر اُن کے دل میں اپنے
نبی اپنے خدا اور اپنے مذہب کا ذرہ برابر خیال بھی ہوتا۔ تو وہ یوں
ہنسی خوشی اور بے فکری سے اس براعظم کی توہین روا نہ رکھتے۔
جو قدیم ترین تمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ اور جس نے دنیا کے بہترین
نبیوں پیغمبروں اور رشیوں منیوں کو اپنی آغوش شفقت میں پروان
چڑھایا ہے۔ لیکن قضا و قدر کا یہی منشا تھا۔ کہ اس معاملے میں
بھی ایشیائی بھیڑیں مغربی بھیڑیوں کے لئے ایک بے مثل نظیر
بنیں +

بظاہر اس نئے قانون کا مقصد یہ تھا۔ کہ خلاف قانون
پردیسیوں کو اس ملک سے آنے سے باز رکھیں۔ جسے وہ ذلیل براعظم
سمجھتے تھے۔ گو انصاف کی بنا پر ہندوستانی جماعت اور ان کے
لیڈر اس امر پر اصرار کر سکتے تھے۔ کہ اُن کے ہم وطنوں کو کھلے
بندوں داخلہ کی اجازت دی جائے۔ لیکن اس موقع پر وہ اس
امر کیلئے بھی بالکل تیار تھے۔ کہ اُن کے داخلے کے متعلق کسی قدر
معقول رُکاوٹیں رکھ دی جائیں۔ وہ تو صرف اس بات کے خلاف
تھے۔ کہ وہ کسی ایسے قانون کے مقید نہ رکھے جائیں۔ جو رنگ اور
قوم کی بنا پر ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز قائم کرے۔ اسی
بات کے لئے وہ اتنا عرصہ شورش بھی کرتے رہے۔ اُن کے
مطالبات کا سب سے بڑا جزو یہ تھا۔ کہ قانون کے نقطۂ نظر سے
تمام اقوام کی مساوات کا اصول مدِ نظر رکھا جائے۔ لیکن اگر کسی خاص

وجوہ سے قانون کا استعمال کسی قدر مختلف بھی کر دیا جائے۔ تو چنداں مضائقہ نہیں ۔ اب جو یہ نیا قانون پاس کیا گیا ۔ تو اس میں ہندوستانیوں کے ساتھ نفرت و حقارت برتنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی تھی ۔ اور اس کے ساتھ یہ امر بھی یقینی تھا ۔ کہ ٹرانسوال اور جنوبی افریقہ کے دیگر حصوں میں جو کارروائیاں ہو رہی ہیں ۔ وہ ہندوستانیوں کے لئے اس سے بھی زیادہ مضرت رساں اور غیر منصفانہ ہوں گی ۔ اور ان سب کا مقصد یہ ہے ۔ کہ ہندوستانی جماعت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے افریقہ سے خارج کر دیا جائے ۔ چنانچہ اس لئے نوآبادی والوں نے اس قانون کو اپنی غایت مقصود سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا ۔ اور غریب ہندوستانی غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئے ۔

اس اثناء میں مہاتما گاندھی اور اُن کے کارکن ہمراہی بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہ بیٹھے تھے ۔ وہ گورنمنٹ کے ممبروں سے اس نئے قانون کے متعلق ملاقات کرنے گئے ۔ لیکن جب ان تمام ملاقاتوں کا نتیجہ صرف یہ نکلا ۔ کہ صرف مستورات اس کی دستبرد سے بری کی گئیں ۔ تو اُنہیں یقین ہو گیا ۔ کہ اب سمجھانے بجھانے سے مزید رعایت ہونی ناممکن ہے ۔ آخر قانونی کونسل نے ایک نمائشی اور رسمی بحث کے بعد نیا قانون منظور کر لیا ۔

جس وقت قانون کونسل میں پیش ہو رہا تھا ۔ اس وقت غریب ہندوستانیوں کی کیا حالت تھی ۔ وہ بھی سن لیجئے ۔ اسی شہر میں

ایک دُوسرا جلسہ منعقد ہو رہا ہے - ایک نہایت عظیم الشان مجمع ہے - جس میں ہر جماعت اور ہر فرقے کے ہزاروں ہندوستانی جمع ہیں - ہر شخص کا سینہ جوش وخروش کا طوفان گاہ بنا ہوا ہے - نئے قانون کی تردید میں جوشیلی تقریریں کی جا رہی ہیں - اور حاضرین کے چہرے اُن کے دردرسیدہ دِل کے جذبات کو خوب ظاہر کر رہے ہیں آخر اختتام جلسہ کے وقت اس عظیم الشان مجمع کا ہر شخص سروقد کھڑا ہو جاتا ہے - اور صدقِ دِل سے آمین کا نعرہ بلند کرتا ہے - اور اس طرح خاموش مقابلے کا عہد اُٹھاتا ہے - ان ہزاروں آدمیوں نے ایک نئے ایکٹ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے - اُنہوں نے سمجھ لیا ہے - کہ اُن کے مقدر کے مالک جرنیل سمٹس یا یونئیا یا لیجسلیٹو کونسل نہیں - بلکہ وہ خود اپنی قسمت کے مالک ہیں - دیکھنے والوں کے دل کہہ رہے تھے - کہ آج ہم ایک ایسی آگ کے شعلوں کے حضور موجود ہیں - جو کبھی سرد نہ ہوگی +

یہ ایک شاندار پیش قدمی تھی - اور مسٹر گاندھی جن پر اس وقت لیڈری کا بارگراں رکھا تھا - اس بات پر بھی آمادہ تھے - کہ اگر اس مشکل کا کوئی اور ممکن حل ہو - تو اسے بھی اختیار کر لیں - اسی وقت آپ کی اور امیر علی صاحب کی سرکردگی میں ایک وفد انگلستان بھیجا گیا - کہ اگر ممکن ہو - تو وہاں جا کر ایسی تحریک کریں - کہ نئے قانون کو شاہی رضامندی حاصل نہ ہو سکے - چنانچہ یہ قرار پایا - کہ جب تک ٹرنسوال میں ایک آئینی حکومت کی بنیاد نہ پڑ جائے - تب تک شاہی رضامندی نہ دی جائے +

اس کوشش کا یہ نتیجہ بھی نکلا۔ کہ لندن میں ایک ایسی کمیٹی قائم ہوگئی جس کا مقصد جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے فوائد کا خیال رکھنا تھا۔ لارڈ ایمپتھل گورنر مدراس اس کے صدر۔ سر منچرجی بھاونگری کارکن صدر۔ اور مسٹر رچ سکرٹری مقرر ہوئے۔ لیکن اس طریق پر ہندوستانیوں کو جو امداد ملی۔ وہ محض عارضی تھی۔ اور رفع الوقتی سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ ٹرانسوال میں جلد نوآبادی والوں کی مرضی کے مطابق ایک آئینی حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔ نہایت سرعت سے نئے احکام پاس ہوئے۔ شاہی رضامندی حاصل کی گئی۔ اور وہ قانون بن گئے +

خاموش مقابلہ

غرض یہ معاملات کی صورتِ حال تھی۔ جب ٹرانسوال کی ہندوستانی جماعت خاموش مقابلے کے آغاز کے لئے مجبور ہوئی۔ اب سوال یہ درپیش تھا۔ کہ لوگ اپنے نام نوآبادی کے رجسٹر میں درج کروائیں یا نہ کروائیں۔ درج کروا کر اپنی عزت و خودداری کو کوڑیوں کے مول بیچ دیں۔ یا درج نہ کروا کر مصائب کے بے پایاں سمندر کی تندموجوں کے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ یہ زمانہ تھا۔ کہ مسٹر گاندھی نے اپنے اہلِ وطن سے ایک مؤثر درخواست کر کے بیان کیا۔ کہ نوآبادی والوں نے ہندوستانی عزت کی جس قدر سخت اور ناقابلِ برداشت توہین کی ہے۔ اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا ناممکن ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہا۔ کہ ہر شخص چٹان کی طرح ڈٹ کر کھڑا ہو جائے موجوں کو اپنا انتہائی زور لگانے دے۔ سر پٹکنے دے۔ کف نکالنے دے۔ اور پائے ثبات

میں لغزش نہ آنے پائے - اب ان کیلئے قید خانے کی کوٹھڑیاں مجاہدہ وریاضت نفس کے حجرے ہیں - اگر ان کے خلاف دنیا کی تمام طاقتوں کی متحدہ کوشش بھی ہو - تو ان کے عزم مصمم کے سامنے ریت کی دیوار ہے - روح کے آگے مادے کی کچھ حقیقت نہیں - صرف جسم تلوار سے کاٹا اور صلیب سے مصلوب کیا جا سکتا ہے - روح ان تمام اثرات سے آزاد ہے - اس کا تعلق براہِ راست آسمانی انوار اور خدائے تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہے - غرض اس طرح مسٹر گاندھی نے اپنے ہموطنوں کے سینوں میں نور کا وہ شعلہ بھڑکا دیا جس سے روحیں روشن ہو گئیں - دل جوش وخروش سے لبریز ہو گئے - سب نے متفق اور یک زبان ہو کر قسم اٹھائی - کہ وہ نام درج نہ کروائینگے - ایک نفس واحد کی طرح انہوں نے مل کر یہ تہیہ کر لیا - کہ وہ عدالت کی کارروائیاں ظلم وستم جیل اور موت سب بخوشی سہنے کو تیار ہیں - سب نے عہد کیا - کہ پچھلے سالوں میں اُن کی جس قدر توہین وتذلیل ہوئی ہے - اس کا دھبہ اپنی پیشانی پر سے مٹانے کے لئے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ دکھائینگے - کہ ساری دنیا کی نگاہیں بے اختیار اُن کی طرف اُٹھ جائیں گی - غرض اب آزادیٔ روح کا وہ درجہ آن پہنچا تھا - جب افراد اور جماعتیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے اور تمام خیالات وخواہشات پر لات مار دیتی ہیں *

خاموش مقابلے کی تحریک شروع ہو گئی - نام درج کرنے والے افسر جگہ جگہ پھرے - لیکن انہیں زیادہ محنت کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑی کیونکہ قریباً نوے فیصدی آدمی اپنی قسم پر نہایت استقلال سے قائم رہے

ملا کی روڈ مسجد تک ۔ افسروں نے رپورٹ کی ۔ اور حسب معمول ہندوستانیوں کے خلاف عدالتی کارروائیاں عمل میں لائی گئیں ۔ فیصلے لکھے لکھائے ہی تھے ۔ غرض شہر سے جیل تک قیدیوں کا ایک تانتا لگ گیا ۔ اور ادنے و اعلیٰ امیر و غریب یوں قید خانے میں گئے ۔ گویا حجرۂ عروسی میں جا رہے ہیں ۔ شوہر بیبیوں سے علیحدہ کئے گئے ۔ اور بچے والدین کی آغوش سے چھڑوا لئے گئے ۔ لیکن پھر بھی ان مشتاقانِ مصیبت کے جوش و خروش کا طوفان فرو نہ ہوا ۔ جو مظلوم ہندوستانی اپنے ضمیر کی خاطر ہنسی خوشی دکھ درد سہہ رہے تھے ۔ ان سے جیل پٹ گیا ۔ خود مسٹر گاندھی کو دو سال قید محض کی سزا ملی لیکن دوران مقدمہ میں انہوں نے نہایت بہادری سے ہندوستانیوں کے جدید رویّے کا سارا بار اپنے سر پر لیا ۔ اور اپنے لئے زیادہ سے زیادہ سزا کی درخواست کی ۔

اب حکام حیران تھے ۔ کہ کیا کریں ۔ آخر مجبوریوں نے عنانِ عقل آدمیت کے راستے کی طرف موڑی ۔ اور ایک اخبار نویس مسٹر کارٹ رائٹ کی وساطت سے باہمی سمجھوتے کی گفتگو شروع ہوئی ۔ اور یہ تصفیہ کیا گیا کہ نئے قانون کا نفاذ تین ماہ کے عرصے تک نہ کیا جائیگا ۔ اس دوران میں نام درج کرانا اختیاری امر ہوگا ۔ جو چاہے خوشی سے آکر اپنا نام درج رجسٹر کرائے کسی پر جبر نہ ہوگا ۔ اور اس عرصے کے اختتام پر یہ قانون منسوخ کر دیا جائیگا ۔

جب حکام کے پتھر دل پگھلتے نظر آئے ۔ اور معاملات نے کچھ سلجھنے کی صورت اختیار کر لی ۔ تو مسٹر گاندھی کو کسی قدر اطمینان ہو گیا ۔ آپ

نے اس نئے تصفیے کے مطابق اپنی نظیر پیش کرنے کی کوشش کی۔ یعنی اس اختیاری حالت پر خود اپنا نام درج رجسٹر کرانے کے لئے آپ دفتر کو گئے۔ لیکن لیڈر کی جان ہر وقت اور ہر لمحہ خطرات میں گھری رہتی ہے ایک پٹھان صاحب نے جو خاموش مقابلے میں شامل تھے۔ آپ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ پٹھان کو یہ خیال آیا۔ کہ گاندھی بزدل ہیں۔ اور قوم کو دھوکا دے رہے ہیں۔ یہ سمجھ کر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ مسٹر گاندھی کو پکڑ کر اس قدر زدوکوب کیا۔ کہ آپ سڑک پر بیہوش اور نیم جان ہو کر گر پڑے۔

اس حملے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسٹر گاندھی کی جان کے لالے پڑ گئے۔ اور سکرات کی حالت طاری ہو گئی۔ مگر خدا کا فضل شامل حال تھا کہ خیریت گذری۔ آپ کے ایک مداح اور عزیز دوست پادری ڈوک تھے۔ وہ جانسبرگ میں بپتسمہ دیا کرتے تھے۔ اُن کی میم صاحبہ نے نہایت توجہ اور ہمدردی سے مسٹر گاندھی کی تیمارداری کی۔ بلکہ یوں سمجھو۔ کہ دوبارہ زندگی بخشی جب آپ تندرست ہو گئے۔ تو دوستوں نے یہ رائے دی۔ کہ اس پٹھان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کرنی چاہئے۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ پٹھان نے اپنی جانب سے وہی کام کیا تھا۔ جسے وہ درست سمجھتا تھا لہٰذا وہ بے قصور ہے۔

اس واقعہ کے باعث کچھ عرصے تک معاملہ بہت گڈمڈ رہا۔ لیکن لوگوں نے آزادی کی حالت میں بخوشی اپنے نام درج کرانے شروع کر دئے اور یہ کام خاطر خواہ طور پر سرانجام پاگیا۔ بعد میں حکام سے کہا گیا۔ کہ سمجھوتے میں جو شرائط اُن کے متعلق ہیں۔ اُسے پورا کریں لیکن حکام نے

اپنے وعدوں پر عمل کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بہتیری کوششیں کی گئیں۔ کہ اس معاملے کا مناسب تصفیہ ہو جائے۔ لیکن کوئی تدبیر بھی مفید ثابت نہ ہوئی۔ اور اس کے سوا چارہ نہ رہا۔ کہ خاموش مقابلے کی تحریک دوبارہ شروع کی جائے ؎

از سرِ نو ہزاروں ہندوستانیوں کے سروں پر مصائب اور تکلیف کے بادل اُمنڈ آئے۔ اور جنوبی افریقہ کا جیل پھر مقدس ترین مقام سمجھا جانے لگا۔ ان لوگوں کا جوش کس قدر عظیم الشان تھا۔ انکے دل ظلم وستم کے چرکوں سے چور تھے۔ اور ان کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی تھی۔ لیکن وہ غصے کا اظہار نہ کرتے تھے۔ کسی قسم کا فساد نہ پھیلاتے تھے۔ بلکہ صبر و شکر سے خاموش مقابلے کے زریں اصولوں پر کاربند تھے۔ اور حیرت انگیز استقلال و اطمینان سے قید خانوں میں جا رہے تھے۔ ان کو عذاب پہنچانے والے جو پیشانی اور سینے پر صلیب رکھ کر دنیا کے سب سے زیادہ رحمدل اور عاجزی پسند مذہب کے افراد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بے فکری سے ہنستے تھے۔ نوجوان بیٹوں کو ضعیف ماؤں سے اور شوہروں کو عزیز بیویوں سے جدا کر کے جیل میں ہیٹنج رہے تھے۔ اور وہ مظلوم اپنی جبین صبر و استقلال پر شکن نہ آنے دیتے تھے۔ آنکھیں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ مگر ان میں آنسو کا ایک قطرہ بھی نہ اُترنے پاتا تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک جلال اور عظمت والے شاہنشاہ کو اپنے دشمنوں پر برافروختہ دیکھ کر کہہ رہے تھے۔ کہ اے آقا! انہیں معاف کر دے۔ کیونکہ انہیں

معلوم نہیں۔ یہ کیا کر رہے ہیں ٭

ان بہادروں نے جن کے پاس توپ اور تلوار سے مقابلہ کرنے کا ہتھیار صرف صبر و شکر تھا۔ خوب خوب دادِ مردانگی دی۔ ہر جماعت اور ہر طبقے سے بہادر جیل میں پہنچے۔ ان میں بہت سے انتہا درجے کے مفلس و نادار تھے۔ اور چوٹی کا پسینہ ایڑی تک بہا کر روزی پیدا کیا کرتے تھے۔ لیکن اس دن اُنھوں نے دُنیا کو بتا دیا۔ کہ وہ اس وسیع دنیا میں محض اس لئے نہیں آئے۔ کہ بس اپنے پیٹ بھرنے کے لئے روٹی کما کر زندگی گزار لیں۔ متمول تاجروں نے خوشی سے دیوالے نکال دئے۔ مفلس و قلاش بن گئے۔ مگر اپنے عہد اور قول میں فرق نہ آنے دیا۔ گھروں کے آرام اور زندگیوں کے لطف برباد ہو گئے۔ شوہر۔ بھائی۔ اور بیٹے جیل میں تھے۔ اور مائیں۔ بہنیں اور بیویاں اپنے بچّوں کو سینوں سے لگائے فاقے کر رہی تھیں۔ مگر عورت، دنیا کا شعر، یہ صرف پھولوں سے سجے ہوئے اور عطر میں بسے ہوئے کمروں کو ہی سجانے والی نہیں۔ بلکہ مشرق کے خاموش مقابلے میں بھی اُس نے وہ سرگرمی پیدا کی۔ اور دلوں میں وہ جوش و خروش پھونکا۔ جو مغرب کے بہادر بیرا اور رم کی بوتلوں کی بوتلیں چڑھا کر بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ان کی زندگیاں تباہ ہو رہی تھیں۔ وہ برباد ہوئی جاتی تھیں۔ مگر اپنے فرائض سے غافل نہ ہوتی تھیں۔ اور اپنے مردوں کو ہمّت و جرأت دلا دلا کر اور فخر و غرور کے ساتھ گھروں سے جیل کی طرف رخصت کر رہی تھیں۔ خاموش مقابلے والوں پر ظلم و سختی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی۔ اُنہیں بے حد

ذلیل کیا گیا۔ کہ کسی طرح ان کا بل ٹوٹے۔ مگر ان کا جوش ان جسمانی تکالیف کا مطیع نہ تھا۔ اُن کی ہمت و جرأت دم بدم اور ترقی کرتی جاتی تھی۔ انہوں نے ایک غیر فانی نشے کا گھونٹ پی لیا۔ اور اس کے سرور میں انہیں رنج و غم سے زیادہ کسی شئے سے رغبت نہ تھی +

اندازہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ٹرانسوال کے نو ہزار مردوں کی آبادی میں سے دو ہزار سات سو آدمیوں نے اس طریق سے قید خانے کی تکالیف و برداشت کیں۔ اور صرف ایک بار پر بس نہیں۔ بلکہ ان میں سے بہت سے آدمیوں سے کئی کئی بار بخوشی وہ تکلیفیں جھیلنی منظور کیں۔ خود مسٹر گاندھی بھی مصائب کا شکار ہوئے اور دوبارہ دو مہینے کے لئے قید سخت کے مستوجب قرار پائے۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں۔ کہ ہم ان کی اُن مصائب اور تکالیف کا ذکر کریں۔ جو انہوں نے اپنے شریکِ مصیبت بھائیوں کے ساتھ جیل میں اُٹھائیں۔ کیسی نفس کُشی و جاں نثاری کے بے مثل کارنامے سرانجام دئے۔ اور کس شان سے اپنا یہ اعتقاد قائم رکھا۔ کہ مصیبت اُٹھانا ہی نجات پانے کا تنہا راستا ہے +

اس قدر آدمیوں کا پروانہ صفت شمع اعتقاد پر جل مرنا۔ اور مصیبت کی زد میں آنے والے معاملات کا اس قدر صاف طور سے سمجھ لینا تین وجوہ سے تھا۔ اوّل حکام کا سبدردانہ غیظ و غضب۔ دوم مسٹر گاندھی کی روحانی طاقت۔ اور سوم فطرت انسانی کی عظمت +

دوسری دفعہ اپنی قید کی میعاد ختم کرنے کے بعد مسٹر گاندھی نے

دو وفد تیار کئے تاکہ ایک وفد انگلستان اور دوسرا ہندوستان جاکر وہاں کے لوگوں کو جنوبی افریقہ کے معاملات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں امداد دے سکے - ایسے موقعوں پر گورنمنٹ ہمیشہ بیدار ثابت ہوتی ہے - چنانچہ بہت سے ڈیلی گیٹ عین رخصت کے مقررہ دن شام کے وقت حراست میں لے لئے گئے - اور محض خاموش مقابلے کا الزام لگا کر قید میں ڈال دئے گئے - لیکن مسٹر گاندھی اور چند اور لوگ کسی نہ کسی طرح انگلستان پہنچ ہی گئے - اور اپنے معاملات کے متعلق وہاں چرچا پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے +

ٹرانسوال کے وزرا اُس زمانے میں انگلستان میں تھے - چنانچہ امپیریل حکام نے کوشش کی - کہ اسی موقعہ پر کسی معقول بندوبست کے ذریعے کا تصفیہ ہو جائے - لیکن چونکہ جنرل سمٹس چکنے گھڑے تھے - اس لئے کوئی ایسی بات ظہور پذیر نہ ہوئی - جو قابلِ ذکر ہو - بہرحال والنٹیروں کی ایک جماعت بنائی گئی - جنہوں نے اس بات کا ذمہ لیا - کہ وہ چندے جمع کرینگے - اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے متعلق لوگوں کی دلچسپی قرار رکھنے کی کوشش کرینگے - یہ انتظامات مکمل کر کے وفد واپس روانہ ہو گیا +

جو وفد ہندوستان میں آیا تھا - اس میں صرف ایک ہی شخص تھا وہ شیر دل انسان جنوبی افریقہ میں ہندوستانی معاملات کا اَن تھک حامی اور "انڈین اوپنین" کا اڈیٹر ایچ - ایس - ایل پولک تھا - آپکے ہندوستان تشریف لانے سے پہلے ہی ہندوستان میں ٹرانسوال کی گورنمنٹ کے متعلق ناراضگی کے خیالات پھیل رہے تھے - لیکن جب مسٹر پولک نے گوکھلے

آنجہانی کی تجویز کے مطابق ہندوستان میں سفر کیا۔ اور بہت سے جلسے کرکے جنوبی افریقہ کے دل ہلا دینے والے واقعات لوگوں کو سنائے۔ تو ہندوستانیوں کی ناراضگی بہت جلد جوش و خروش کی حد تک پہنچ گئی۔ اور ملک کے کونے کونے سے انتقام و تاوان کے مطالبے کی صدا بلند ہوئی۔ مادرِ وطن کے ان دور افتادہ بچوں کی مصائب کو دور کرنے کو جنہوں نے دنیا کی نظروں میں اپنے دیس کی وقعت پیدا کرنے کے لئے اتنی بڑی قربانیاں کی تھیں۔ فنڈ کھول دئے۔ اور چاروں طرف سے روپے کی بارش ہونے لگی +

مسٹر پولک کی کارروائیوں کا ایک فوری نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ہندوستان میں میعادی مزدوری کے قانون کی زیادتیوں کی طرف لوگوں کی توجہ اس قدر مبذول ہوگئی۔ کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ اور جب مارچ ۱۹۱۲ء میں گوکھلے آنجہانی نے امپیریل لجسلیٹو کونسل میں اسکی اصلاح کے لئے ایک نہایت پرزور اور شاندار تقریر میں ریزولیوشن پیش کیا۔ تو حکومتِ ہند کو ہندوستانی لوگوں کی رضامندی کے آگے جھک جانا پڑا۔ اور اربابِ حکومت منظوری دینے پر مجبور ہوگئے۔ خاموش مقابلہ کی تحریک کی یہ پہلی شاندار فتح تھی +

خود جنوبی افریقہ میں اس تحریک کا دہرا اثر ہوا۔ پہلا نتیجہ تو یہ نکلا۔ کہ اس نے نو آبادی کے معقول آدمیوں پر ناقابلِ محو اثر ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کے صدر مسٹر ولیم ہوسکن مقرر ہوئے۔ آپ نہایت نیک پرجوش اور شریف انسان تھے۔ اگرچہ آپ کے اہلِ وطن

نے آپ کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مگر آپ نے باوجود مخالفت کے ایسی سرگرمی کے ساتھ ہندوستانیوں کی حمایت کی جس کی تعریف سے زبان قاصر ہے۔ چنانچہ آپ ہی کے نام پر اس کمیٹی کا نام ہوسکن کمیٹی رکھا گیا +

دوسرا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حکّام کی کینہ وری دن بدن زیادہ ہونے لگی۔ اور جذبۂ انتقام تیزی سے بڑھنے لگا۔ ان حاکموں کا خیال تھا۔ کہ انسانی روح کو جس قدر عذاب دیا جائے۔ اور اس پر جس قدر وحشیانہ دباؤ ڈالا جائے۔ اتنی ہی وہ دبتی جاتی ہے +

تاریخ شاہد ہے۔ کہ سنگدلوں اور ظالموں کی عقل ہمیشہ سے اوندھی چلی آئی ہے۔ چنانچہ ٹرانسوال کے حکّام بھی اسی بے بصیرتی کا شکار ہوئے۔ اور ایک اور ہی ہتھیار سے کام لینا چاہا یعنی ہندوستانیوں کو جلاوطنی کی سزائیں دینی شروع کیں۔ اور سوچا کہ اس کے ذریعے ہم خاموش مقابلے والوں کے زور کو آسانی سے توڑ سکیں گے۔ شروع شروع میں انہوں نے سربرآوردہ لوگوں کو نٹال کی حدود سے نکالنا شروع کیا۔ لیکن انہیں باہر چھوڑ کر آنے والے واپس نہ آنے پاتے تھے۔ کہ یہ ان سے بھی پیشتر آموجود ہوتے تھے۔ حکّام بھی ایسے آسان طور پر باز نہ آنے والے تھے۔ آخر انہوں نے مجبور آ کیا کہ بہت سے خاموش مقابلہ کرنے والوں کو جن کی تعداد کوئی ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔ پکڑ کر ہندوستان روانہ کر دیا۔ لیکن یہاں سے ایک قوم کی قوم نے انہیں اپنی ہمدردی اور دعاؤں کے حفظ امان میں پھر

اسی قربانگاہ افریقہ کو روانہ کر دیا۔ ٹرانسوال کے حکام نے جو یہ دیکھا۔ کہ یہ پھر واپس آرہے ہیں۔ تو ہر جائز و ناجائز طریق سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ کہ انہیں اس دفعہ مغربی افریقہ کے ساحل پر نہ اُترنے دیں چنانچہ ایک من چلا نوجوان جو واپس آرہا تھا۔ ان کی بہیمی کوششوں کا شکار ہوا۔ اور ایک برطانوی بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ میں مارا مارا پھر کر آج خلیج ڈلگوا کے پرتگالی علاقے میں مرگیا۔

اس نوجوان کی موت نے اس معاملے میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ دھر ہندوستان میں نٹال کے ان واقعات کا چرچا ہوا۔ تو یہاں صورت حالات بگڑ چلی۔ ہندوستان کی گورنمنٹ پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اور انگلستان میں امپیریل گورنمنٹ کی توجہ مبذول کرائی گئی۔ اس پر امپیریل گورنمنٹ نے ٹرانسوال کی گورنمنٹ کو تنبیہہ کی۔ تو یہ جلاوطنی کی سزائیں روک دی گئیں۔

جنوبی افریقہ کی مختلف ریاستیں جب متحد ہو کر ایک ہو گئیں۔ تو گورنمنٹ ہند کے اصرار پر انگلستان کی امپیریل گورنمنٹ نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی۔ کہ جنوبی افریقہ کی گورنمنٹ کو اس مشکل کا کوئی معقول حل سلجھائے۔ چنانچہ اسی مقصد کے لئے اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء میں جنوبی افریقہ میں یہ پیغام بھیجا۔ کہ جو قانون ان سب مصائب کی بنیاد ہے۔ وہ منسوخ کر دیا جائے۔ اور بغیر کسی قومی امتیاز کے ایک ایسا قانون بنایا جائے جس کے باعث آئندہ کے لئے پردیسیوں کی آمد تو رک جائے لیکن اس قدر گنجائش باقی رہے۔ کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک مختصر اور

خاص اوصاف کی جماعت کی آمدورفت کے متعلق روک ٹوک نہ کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی امپیریل گورنمنٹ نے یہ بھی اشارہ کر دیا۔ کہ اس قسم کے کسی قانون میں کوئی ایسی وضع نہ ہو۔ کہ ساحل کی ریاستوں کے پردیسیوں کے موجودہ حقوق بھی اُن سے چھن جائیں +

اس مرتبہ جنوبی افریقہ کی اتحادی کمیٹی اس قسم کی ہر تجویز پر غور کرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ خوب سوچنے سمجھنے کے بعد پردیسیوں کے لئے ایک نیا قانون بنا دیا گیا۔ اس نئے قانون کے ذریعے گو پُرانا قانون منسوخ ہو گیا۔ لیکن قومی فرق و تفاوت بدستور رہے۔ اور امپیریل گورنمنٹ کی تاکید کے باوجود اضلاع ساحل کے بسنے والوں کے کئی حقوق بھی چھن گئے۔ یہ قانون ہندوستانی جماعت کو کیسے منظور ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آخر یہ قانون بھی پاس نہ ہوا۔ اور بہت سی ردوقدح کے ایک باہمی تصفیہ ہو گیا۔ جس میں گورنمنٹ نے وعدہ کیا۔ کہ ۱۹۱۲ء میں ایک قابلِ اطمینان قانون جاری کر دیا جائیگا۔ اور اس درمیانی عرصے میں گو پہلے ہی قانون پر عمل رہیگا۔ مگر اس طرح گویا وہ قانون ابھی سے تبدیل ہو چکا ہے۔ خاموش مقابلے والوں نے بھی وعدہ کیا۔ کہ وہ فی الحال اپنی تحریک روک دینگے +

۱۹۱۲ء کے آتے کیا دیر لگنی تھی۔ عہد پورا کرنے کا وقت آ گیا۔ گورنمنٹ نے قانون بھی بدل دیا۔ مگر خلاف توقع تبدیل شدہ قانون بھی کچھ بہتر نہ نکلا۔ اور جب صورتِ معاملات بگڑتی نظر آئی۔ تو اس عارضی تصفیے کی میعاد ایک سال کے عرصے تک اور بڑھا دی گئی۔ اس موقع پر مسٹر

گاندھی نے مسٹر گوکھلے آنجہانی کو جنوبی افریقہ میں مدعو کیا۔ کہ وہ موقع پر پہنچ کر بذاتِ خود صورتِ معاملات کو ملاحظہ کریں۔ چنانچہ مسٹر گوکھلے امپیریل اور ہندوستانی گورنمنٹ کی پوری پوری منظوری حاصل کرنے کے بعد جنوبی افریقہ روانہ ہوئے۔ اور ۲۲۔ اکتوبر کو شہر کیپ ٹاؤن میں جا پہنچے۔ آپ نے تین ہفتے تک وہاں قیام کیا۔ اور تمام ملک میں سفر کر کے ہر اہم مقام کا معائنہ کیا۔ اس موقع پر نہ صرف ہندوستانی جماعت نے بلکہ اہلِ نوآبادی نے بھی ہر جگہ آپ کا نہایت عزت و احترام سے استقبال کیا اور آپ نے اپنی شیریں بیانی اور معقولیت سے جو آپ کی مشہور و معروف خصوصیات تھیں۔ سب کے دلوں پر نہایت گہرا اثر قائم کیا ؀

آپ اتحادی کمیٹی کے وزیروں سے بھی ملے۔ اور بحث مباحثہ کے بعد ان سے اس امر کا وعدہ لیا۔ کہ آئندہ خاطر خواہ بندوبست کیا جائیگا اور منجملہ اور باتوں کے تین پونڈ والے ٹیکس کی منسوخی کا بھی وعدہ لے لیا۔ جو نٹال کے ان ہندوستانیوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ جن کی میعاد مزدوری ختم ہوجاتی تھی۔ تکالیف و مصائب کی شبِ تاریک تمام ہوتی نظر آئی۔ اور مسرت و کامرانی کے آفتاب کا طلوع بہت قریب معلوم ہوا۔ جہاں یاس و ناامیدی کی پژمردگی طاری تھی۔ وہاں امید و توقع کی رنگینیاں چھاگئیں ؀

انہی دنوں میں ایک اور تازہ اور غیر معمولی پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ ریاست ہائے اتحادی کی عدالت نے ایک مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے قرار دیا۔ کہ وہ تمام نکاح جو ہندوستان میں منعقد ہوئے ہیں۔ بموجب قانونِ ریاست منسوخ و کالعدم ہیں۔ اس فتوے سے مجبور و بیکس ہندوستانیوں

کی کیا حالت ہوئی۔ تصور اس کو تحریر سے بہتر سمجھا سکتا ہے +

انتظار مدید کے بعد جب ۱۹۱۳ء میں پھر قانون مذکور انخادی پارلیمنٹ کے روبرو پیش ہوا۔ تو محض دفع الوقتی سے کام لیا گیا۔ اور ذرا بھی فیاضی اور بلند نظری سے معاملے کو سلجھانے کی کوشش نہ کی گئی۔ ہندوستانی جماعت کے لیڈروں نے حکام کو بہتیری توجہ دلائی۔ درخواستیں دیں۔ مگر سب بیہودہ ثابت ہوئیں۔ گو قانون میں کسی قدر ادل بدل کی گئی۔ مگر ان تبدیلیوں کے بعد بھی قانون نے جو صورت اختیار کی۔ وہ حالات و ضروریات کے لحاظ سے قابلِ اطمینان نہ تھی۔ لہذا اس موقعہ پر ایک وفد انگلستان بھیجا گیا۔ کہ امپیریل گورنمنٹ اور برطانی رعایا کو پیشتر سے آگاہ کر دے۔ کہ ان حالات میں معاملات کی صورت خطرناک پیدا ہو جانی بہت ممکن ہے اور اگر مناسب و موزون تبدیلیاں نہ کی گئیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ خاموش مقابلہ ایک دفعہ پھر وسیع پیمانے پر شروع ہو جائے گا۔ لیکن یہ کوشش بھی بے سود ثابت ہوئی +

اب پھر ضرورت تھی۔ کہ لوگ ایک دفعہ پھر مصائب کے سمندر میں کود پڑیں چنانچہ خاموش مقابلہ از سرِ نو شروع ہو گیا۔ اور اس دفعہ اس قدر ہیبت اور پختگی عزم سے شروع ہوا۔ کہ گذشتہ تمام مخالفتیں دلوں سے محو ہو گئیں۔ خاموش مقابلے والوں کے سب سے بڑے مطالبے یہ تھے کہ تین پونڈ کا ٹیکس موقوف کیا جائے۔ اصولِ قانون میں قومی امتیاز کی بالکل بیخ کنی کر دی جائے۔ ہندوستانی شادیاں جائز سمجھی جائیں۔ جنوبی افریقہ میں جو ہندوستانی پیدا ہوں۔ ان کو کیپ کالونی میں داخل ہونے کے

حقوق حاصل ہوں۔ اور برطانی ہندوستانی پردیسیوں کے لئے تمام قوانین میں ہمدردی و مساوات کا خیال رکھا جائے ؛

خاموش مقابلے کی آخری حالت کے واقعات اس قدر دردناک ہیں۔ کہ ان کے بیان سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس امر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ آج تک جس آگ کی چنگاریاں صرف آزاد ہندوستانی مردوں پر برسائی جاتی تھیں۔ اب اُن کی بارش بقیہ دو جماعتوں یعنی عورتوں اور میعادی مزدوروں پر بھی برسائی جائے ؛

اگرچہ ٹرانسوال کی ہندوستانی مستورات شروع ہی سے تمام سیاسی تحریکات میں دلچسپی لیتی رہی تھیں۔ اور اپنے مردوں کو ہمت دلا دلا کر اور ان سے ہر قسم کی ہمدردی کر کے اپنے مقدس نسوانی فرض ادا کر رہی تھیں۔ لیکن اب وہ وقت آگیا تھا۔ کہ وہ بذات خود اس جلتی آگ میں پھاند پڑیں۔ جو اُن کی قومیت کو خاک سیاہ کرنے والی تھی۔ عدالت کا یہ فتویٰ کہ ان کے نکاح باطل ہیں۔ تیر کی طرح اُن کے دلوں پر لگا۔ اور وہ سینہ تھام کے رہ گئیں۔ لیکن اس تیر کا گھسنا تھا کہ قلبِ نسوانی جن خیالات کا سرچشمہ ہے۔ ان کا ایک دریا اُمنڈ آیا۔ اس دریا کے جوش کا کیا ٹھکانا تھا۔ سیکڑوں ہندوستانی عورتیں تھیں جنھوں نے افریقہ کے تیرہ و تاریک قیدخانوں کو اپنی نورانی ہستی سے روشن کر دیا۔ اور جب مردوں نے اپنی ماؤں۔ بہنوں اور بیویوں کو سب جسمانی تکلیف اس طرح ہنسی خوشی برداشت کرتے دیکھا۔ تو ان پر فخر و غرور کا تیز و تند نشہ چھا گیا۔ اس عزت و خودداری کی جنگ میں

مرد اور عورتیں سب یکساں طور پر سیاہ کاری کی متفقہ فوجوں سے مقابلہ کرنے اور تکالیف و مصائب کو سینے سے لگا لینے کے لئے تیار رہتے+

مسز پولک نے "انڈین اوپنیئن" کے صفحات میں خاموش مقابلہ کرنے والی عورتوں کی خدمات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ تمام کا تمام ترجمہ کر کے یہاں نقل کر دیا جائے۔ وہ لکھتی ہیں:

"رسکن نے لکھا ہے "عورت کے فرائض دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اپنے گھر کے متعلق ہوں۔ اور دوسرے وہ جن کا تعلق ملک کے ساتھ ہو" جنوبی افریقہ کی ہندوستانی مستورات میں سے شاید ایک نے بھی رسکن کے یہ الفاظ نہ پڑھے ہونگے۔ پڑھنا تو درکنار کبھی سننے کا بھی اتفاق نہ ہوا ہوگا لیکن حقیقت و صداقت مختلف طریقوں اور مختلف جگہوں میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ جنوبی افریقہ کی ہندوستانی مستورات کو فطرتاً اس بات کا علم ہوگیا تھا کہ یہ مقولہ حیاتِ انسانی کے حقیقی قوانین میں سے ہے۔ اور ان کے کاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے ملکی فرائض کس خوبی سے ادا کئے۔ یہ عورتیں جنہیں پبلک زندگی کے متعلق کوئی تربیت نہ دی گئی تھی۔ جو ہندوستانی گھروں کی علیحدگی اور تنہائی کی عادی تھیں۔ جنھوں نے مساواتِ حقوق کا علم بالکل حاصل نہ کیا تھا۔ اور جو مقابلہ کرنے والی مزدور جماعت کی صابر اور پابند فرائض بیویاں مائیں اور بیٹیاں تھیں۔ ضرورت کے وقت زندگی کے جوش سے متاثر ہوکر اپنے ملکی فرائض بجا لانے میں مصروف ہوگئیں۔ اور اس خوبی اور شجاعت سے وہ فرائض سرانجام دئے۔ جو صرف انہیں کا حصہ تھا۔

اکثر کہا جاتا ہے۔ کہ عورتوں کا استدلال صحیح نہیں ہوتا۔ اور شاید یہ اعتراض

کسی حد تک بجا ہے۔ لیکن جہاں کہیں حیات انسانی کے ابتدائی قوانین کا تعلق ہوتا ہے۔ وہاں عورت بجائے اس کے کہ دلیلوں کو راہنما بنائے کوئی ایسا راہ اختیار کرتی ہے جو زیادہ قابلِ اطمینان اور یقینی ہو۔ چنانچہ اد بریا سویرہ اپنے مقصد کو پا لیتی ہے۔ ہر اصلاحی تحریک کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس وقت سے عورتیں کسی اصول کو قائم رکھنے میں مردوں کی دست و بازو بن جائیں۔ تو پھر انھوں نے اس اصول کو خواہ کیسا ہی معمولی طور پر بجا ہو۔ تحریک کا جوش بے انتہا بڑھ جاتا ہے۔ اور تحریک کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے +

مغرب میں اس قسم کے خیالات راسخ ہو چکے ہیں۔ کہ ہندوستانی عورت دنیا سے علیحدہ اور بے خبر رہتی ہے۔ اس کے خیالات وسیع نہیں۔ اور اسے ملکی معاملات میں کچھ بھی دلچسپی نہیں۔ چنانچہ اہلِ مغرب یہ دیکھ کر نہایت متعجب اور پریشان ہونگے کہ بہت سی ہندوستانی عورتیں جن میں سے بعض کے سینوں سے ان کے خورد سال بچے چمٹے ہوئے تھے۔ بعض حاملہ تھیں۔ اور بعض بالکل نوجوان لڑکیاں تھیں۔ گھروں کی چار دیواری سے نکل نکل کر خاموش مقابلے کی مصائب برداشت کرنیکو تیار ہو گئیں +

اس مقابلے کا آخری رخ بلکہ وہ رخ جس کے باعث آج ہم مطمئن ہوتے ہیں۔ یہ تھا۔ کہ مقابلے کی اولین مراحل میں ہی نتال کی عورتوں کی ایک مختصر سی جماعت اپنی دوسری بہنوں کے لئے ہادی راہ بنکر نکلی تھی۔ اور سب نے یہ ٹھان لیا تھا۔ کہ اگر انھیں اپنے قانونی حقوقِ زوجیت کے ثابت کرنے میں جیل خانے بھی دیکھنے پڑیں گے۔ وہ اس کی کچھ پرواہ نہ کرینگی۔ جوہانسبرگ کی ہندوستانی بھی ایک ایسی ہی مختصر سی جماعت تیار ہوئی تھی +

نتال کی عورتیں جو ہندوستانی جماعت کے مشہور افراد کی بیویاں ہیں۔ والکسرسٹ

تک ہی گئی تھیں۔ کہ وہاں زیرِ حراست کر لی گئیں۔ اور انہیں تین تین ماہ قیدِ سخت کی سزا ملی۔ یہ پہلی ایک سو عورتیں تھیں۔ جو جیل میں بھیجی گئیں۔ ادھر ٹرانسوال کی عورتیں چلیں۔ اور انہوں نے راستے میں جگہ جگہ جلسے کر کے کانوں کے مزدوروں سے کہا کہ وہ کام کرنا چھوڑ دیں۔ اور غلامی کی زندگی پر موت کو ترجیح دیں۔ ان عورتوں کا درخواست کرنا تھا۔ کہ ہزاروں مزدوروں نے کام چھوڑ دیئے اور ہڑتال کر دی۔ میرے خیال میں یہ ماننے سے تو کسی کو بھی انکار نہ ہوگا۔ کہ اگر گذشتہ سال کے درمیانی عرصے میں یہ بہادر عورتیں اپنا کام شروع نہ کرتیں۔ تو عزت و قومیت کے تحفظ کی صدائے احتجاج ہزاروں دلوں کو یوں متاثر نہ کر سکتی۔ کوئی چھ ہفتے کے عرصے کے بعد ٹرانسوال کی عورتیں روانہ ہوئیں۔ وہ بھی حراست میں لے لی گئیں۔ اُن کے حق میں بھی نٹال کی مستورات ہی کی مانند فیصلہ کیا گیا۔ اور انہیں زبردستی ٹیکا لگایا گیا۔ اس طرح یہ بہادر عورتیں کاروبارِ زندگی سے محروم کر دی گئیں۔ لیکن جو مقابلہ اب اس شان سے شروع ہو گیا تھا۔ وہ جاری رہا۔

ان آخرالذکر مستورات کی رہائی کے چند روز بعد دو عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے۔ ایک بیس سال کی جوان لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ اور ایک عورت مہینوں تک موت اور زندگی کی کشمکش میں پھنسی رہی۔ لیکن اس وقت گوہرِ مقصود حاصل ہو چکا تھا۔

آج یہ سب عورتیں پھر اپنے اپنے گھروں میں موجود ہیں۔ اور ہندوستانی عورت کی زندگی کا جو روزانہ معمول ہوتا ہے۔ اس میں مصروف ہیں۔ وہی پہلے جیسی صابر اور اپنے فرائض انجام دینے والی عورتیں ہیں۔ جو ہندوستان صدیوں سے پیدا کر رہا ہے لیکن انہوں نے شہرت کی بدنامی کو برداشت کیا۔ اور جو لوگ ہندوستان سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں سمجھ سکتے۔ کہ ہندوستانی عورت کے لئے یہ امر کس قدر تکلیف دہ ہے

کہ سب میں اس کا چرچا ہو۔ انہوں نے جسمانی مصائب۔ روحانی رنج اور دل کا درد سب کچھ برداشت کیا۔ کیونکہ تقریباً تمام بچہ دار عورتیں اپنے بچوں کو گھر پر چھوڑ گئی تھیں۔ انہوں نے کھانے کی ہڑتالیں کیں۔ کیونکہ اب انہیں کھانے کو معقول خوراک اور پاؤں میں پہننے کو جوتے نہیں ملتے تھے۔ یہ سب کچھ انہوں نے برداشت کیا لیکن نہ پیشانی پر بل آیا اور نہ زبان پر شکایت آئی۔ گو ہندوستان اپنی بہت سی باتوں پر فخر و ناز کرسکتا ہے۔ لیکن جنوبی افریقہ کی ان عورتوں کے کارہائے نمایاں سب سے زیادہ باعثِ فخر ہیں۔ جنہوں نے افریقہ کے درماندہ ہندوستانیوں کی ترقی و بیداری میں جانفشاں کوششیں کیں"۔

مندرجہ بالا حال مسٹر پولک نے کوئلے کی کانوں کی ایک ہڑتال کے متعلق لکھا ہے۔ لیڈروں کی تجویز کا اصلی مقصد یہ تھا۔ کہ جنگ کا آخری وار میعادی مزدوروں کی ہڑتال ہو۔ اسی ہڑتال کا حال اور ٹرانسوال کی جانب ہڑتالیوں کی مشہور پیش قدمی کا بیان ہم اس مضمون سے بہتر بیان نہیں کرسکتے۔ جو اُن کے اسی رسالے میں "عجیب و غریب پیش قدمی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ وہ مضمون مندرجہ ذیل ہے:۔

"تین پونڈ ٹیکس کی تنسیخ ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۹ء ہی میں بہت اہم اور ضروری سوال بن گیا تھا۔ ان ہی ایام میں اس کے حصول کے لئے ایک انتظامی جماعت قائم ہوئی تھی۔ اور ایک عرضداشت جس پر بہت کثرت سے دستخط کرائے گئے پارلیمنٹ نٹال کی خدمت میں بھیجی گئی تھی لیکن اس کا صرف یہ اثر ہوا۔ کہ ۱۹۱۰ء میں ایک یونہی غیر مؤثر ایکٹ پاس ہوگیا۔ جس کی رو سے مجسٹریٹوں کو یہ اختیارات مل گئے۔ کہ وہ صرف اپنی رائے سے بعض حالات میں بعض خاص مستورات

کو مستثنےٰ کر دیں۔ مگر سب مجسٹریٹوں نے ان اختیارات کو استعمال نہ کیا۔ کسی نے کیا۔کسی نے نہ کیا +

مسٹر پولک نے ۱۹۰۹ء۔ ۱۹۱۰ء۔ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۲ء کے عرصے میں ہندوستان میں جو جدوجہد کی۔ اور ۱۹۱۱ء میں انگلستان میں جو قیام کیا۔ اس زمانے میں ہندوستان کے لوگوں۔ گورنمنٹ ہند کی اور برطانوی رعایا کی توجہ بھی اس مسئلے کی طرف منعطف کرائی۔ کیونکہ یہ لوگ ٹیکس کی سختیوں سے بے خبر تھے۔ اور اس کی وجہ سے جو تباہی و بربادی پیش آنیوالی تھی۔ اس سے آگاہ نہ تھے +

اسی لئے جب آنریبل مسٹر گوکھلے ۱۹۱۲ء میں جنوبی افریقہ آئے۔ اور برسرِ موقع ہندوستانیوں کی شکایات سننے بیٹھے۔ تو انہوں نے سب سے پہلے اس ٹیکس ہی کو لیا۔ کیونکہ اس کے فوری علاج کی ضرورت تھی۔ اور یہ قابلِ علاج بھی تھا۔ انہوں نے بمقام پریٹوریا وزراء کی مجلس میں اس معاملے کے لئے خاص طور پر عرض معروض کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکس مذکور منسوخ کر دینے کا وعدہ کیا گیا۔ مسٹر گوکھلے کی یہ کوششیں اگرچہ ۱۹۱۲ء میں عمل میں آئیں لیکن ان کی امید اس زمانے ہی سے بندھ رہی تھی۔ جب انہوں نے ریاست ہائے متحدہ افریقہ میں سفر کیا تھا۔ جن لوگوں پر ٹیکس لگتا تھا۔ انہیں اسی وقت مسٹر گوکھلے نے یقین دلایا تھا۔ کہ جب تک ٹیکس مذکور کو منسوخ نہ کرا لوں گا۔ میں آرام سے نہ بیٹھونگا۔ اس عزم و ارادہ کے متعلق ڈربن کی ضیافت میں اور وہاں کے ایوانِ تجارت کی مجلس میں مشاہیر اہلِ نٹال نے جو ہمدردانہ تقریریں کیں۔ ان سے ان کی اور بھی حوصلہ افزائی ہوئی۔ چنانچہ

جب مسٹر گاندھی زنجبار سے واپس آئے۔ (جہاں وہ مسٹر گوکھلے کے ہمراہ گئے تھے) تو انہوں نے ان معلومات سے مزید تائید پاکر اور خود اپنے اوپر ذمہ داری لے کر ان لوگوں سے جن پر ٹیکس لگنے والا تھا۔ ان وعدوں کو بار بار بیان کیا ۔

لہذا جب ۱۹۱۳ء میں یونین پارلیمنٹ کے اختتام اجلاس پر ایک تجویز پیش کی گئی۔ جس کی رو سے صرف عورتیں ہی اس کے اثر سے مستثنیٰ کی گئیں اور انہیں یہ حکم دیا گیا۔ کہ وہ ہر سال لائسنس لیا کریں۔ تو اس وقت مسٹر گوکھلے کے نام ہندوستان میں پیغام بھیجا گیا۔ اور ہندوستان کے افریقیوں نے ان سے پوچھا۔ کہ کیا وعدے کے وقت تنسیخ کا حکم صرف عورتوں تک ہی محدود کیا گیا تھا۔ مسٹر گوکھلے نے ہندوستان سے جواب دیا۔ کہ حکم مذکور تمام ٹیکس ادا کرنے والوں کے متعلق تھا۔ آخر مسٹر میلا اور سر ڈیوڈ ہنٹر آنجہانی نے اس قانون کو منسوخ کر دیا۔ اور اس کی آئندہ اشاعت کی نسبت اعتراض کیا۔ کیونکہ ان کو یقین تھا۔ کہ اگر یہ جاری رہا۔ تو اس سے تنسیخ کلی میں بلا تعین مدت ناواجب تاخیر واقع ہوگی۔ اس وقت تک گورنمنٹ نے جو وعدہ کیا تھا۔ اسکے ایفا کا انکار نہیں کیا تھا ۔

پارلیمنٹ کے برخاست ہونے پر مسٹر گاندھی نے از سر نو متحدہ گورنمنٹ کے ساتھ خط و کتابت کی۔ اور وعدے کی یاد دہانی کر کے یہ استدعا کی۔ کہ ۱۹۱۴ء میں ٹیکس مذکور کی تنسیخ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر کیا جائے۔ اس زمانے میں مسٹر پولک حسب ہدایت مسٹر گوکھلے انگلستان گئے۔ انہوں نے وہاں امپیریل حکام اور برطانی رعایا کے سامنے یہ بات واضح کر دی۔ کہ اگرچہ پہلے تین پونڈ ٹیکس کی منسوخی خاموش مقابلے کے مطالبات کا جزو نہیں تھی

لیکن اب یہ سوال ایسا ضروری بن گیا ہے۔ اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے
خیال میں یونین گورنمنٹ کی اس عہد شکنی سے اس قدر جوش پیدا ہو گیا ہے۔ کہ
اگر بدقسمتی سے یہ مقابلہ از سرنو شروع ہوا۔ تو ٹیکس مذکور کی منسوخی بھی خاموش مقابلے
کے مطالبات کا ایک جزو لازم قرار دینی پڑے گی۔ لارڈ ایمپٹل نے بھی مسٹر گوکھلے کے
ساتھ مشورہ کرنے کے بعد دارالامرا میں ایک شاندار تقریر کی۔ اور اس کے
دوران میں منسوخی قانون کے وعدے کی طرف صاف صاف الفاظ میں اشارہ کیا
لیکن یونین گورنمنٹ نے اس بات میں توجہ کرنے سے انکار کیا۔ گو ان کو اس امر سے
انکار نہیں تھا۔ کہ وعدہ واقعی کیا گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مسٹر اے ایم کچالیا
نے اپنی مراسلت مورخہ ۱۲ ستمبر میں جہاں خاموش مقابلے کے از سرنو تازہ ہونے
کی خبر دی تھی۔ وہاں خاموش مقابلہ کے پہلے پانچ امور کے علاوہ اس مسئلے کو بھی
مقاصد مقابلہ میں شامل کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی مسٹر گوکھلے باوجود اس کے
کہ ان کے مشیران طبی بوجہ ناسازی طبیعت منع کرتے رہے۔ فوراً ہندوستان
واپس آئے۔ تاکہ گورنمنٹ ہند اور اہل ہند کو مناسب کارروائی کرنے کے لئے
آمادہ کریں +

قبل اس کے کہ کوئی کارروائی عمل میں آئے۔ ۲۸ ستمبر کو مسٹر گاندھی نے
سکرٹری علاقہ اندرونی کے نام ایک چٹھی لکھی۔ جس میں مندرجہ ذیل تنبیہہ و التجا
مرقوم تھی:۔

"جو ذمہ واری ایسی اہم کارروائی کا مشورہ دینے سے مجھ پر عاید ہوتی ہے۔
اس سے میں خوب واقف ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ کہ جس کارروائی کو میں ضروری
تعلیمی لحاظ سے بیش قدر اور اہل ہند اور گورنمنٹ دونوں کے حق میں مفید سمجھتا

ہوں۔ اس کا مشورہ دینے سے احتراز کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ وہ کارروائی کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جن لوگوں پر تین پونڈ کا ٹیکس عائد ہونے والا ہے۔ میں ان سے مستعدی اور استقلال کے ساتھ متواتر یہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ تم ٹیکس ادا نہ کرو۔ اور اس کے بدلے میں سزائیں بھگتو۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم یہ کارروائی ہے۔ کہ جو لوگ فی الحال میعادی مزدوری میں کام کر رہے ہیں۔ اور جن پر اختتام میعاد کے وقت تین پونڈ ٹکس کی ادائگی واجب ہوگی۔ ان سے یہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ کام بند کر دیں۔ اور جب تک ٹیکس منسوخ نہ ہو جائے۔ کام بند رکھیں میرا خیال ہے کہ دارالامرا میں چونکہ لارڈ ایمپٹیل نے مسٹر گوکھلے کی ظاہرا پسندیدگی سے گورنمنٹ کے وعدہ معینہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کا اعادہ لارڈ گلیڈسٹن کے سامنے کیا گیا۔ اس صورت میں میعادی مزدوروں کے لئے یہ مشورہ بالکل حق بجانب ہوگا۔ کیا اب بھی جبکہ میں اس معاملے کے گرداب میں ہوں جنرل سمٹس سے اپیل نہیں کر سکتا۔ کہ وہ مذکورہ بالا ٹیکس کے باب میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں"۔

یہ چٹھی جنرل سمٹس کو دکھائی گئی۔ انہوں نے اس کا جواب تو کچھ نہیں دیا۔ لیکن وعدے سے انکار بھی نہیں کیا۔ اور نہ انہوں نے خاموش مقابلے والوں کے ارادے سے مزدوروں کے مالکوں کو مطلع کیا۔ دو ہفتے کے بعد ایک تحریر میں جو رویٹر ایجنسی کے ذریعے جنوبی افریقہ کے پریس سے شائع ہوئی تھی۔ صاف طور پر یہ بیان کیا گیا۔ کہ تجویز مذکورہ بالا میں ہندوستان کے میعادی مزدوروں کو یہ مشورہ دینا بھی شامل ہوگا۔ کہ جب تک تین پونڈ کا ٹیکس منسوخ نہ ہو جائے۔ وہ کام بند رکھیں۔ ہندوستان کے میعادی مزدوروں سے اس

جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے نہیں کہا جائیگا۔ غرض جو غیر معمولی امر پیش آنے والا تھا۔ اس کی اطلاع پبلک کو کافی طور پر مل گئی۔

چونکہ گورنمنٹ نے ہندوستان کے تمام نکاحوں کو ناجائز قرار دے دیا تھا اس لئے ہندوستانی عورتیں گورنمنٹ کی اس کارروائی پر اعتراض کرنے کے مستحق تھیں۔ اور گروہ معترضین میں شریک ہوئیں۔ انہوں نے ویرینی گنگ۔ جرمسٹن اور والکرسٹ میں قید ہونے کی بھی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہیں اب یہ عورتیں بغیر کسی مزاحمت کے نٹال میں آگئیں۔ انہیں عورتوں کی دلیری اور دلی توجہ کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانی مزدور شمالی حصہ ملک کی کانوں میں کام کرنے سے رک گئے۔ مسٹر سی۔ کے۔ ٹی نیڈو کی ہدایت کے مطابق ان عورتوں نے نیوکیسل میں اپنا ہیڈکوارٹر مقرر کیا۔ اور ایک کان سے دوسری اور دوسری سے تیسری میں گشت لگا کر ہندوستانی مزدوروں اور ان کے خاندانوں کو سمجھایا۔ کہ جب تک گورنمنٹ منسوخی ٹیکس کا وعدہ نہ کرے تم اپنا کام بند رکھو۔ سب مزدوروں نے یہ بات فوراً منظور کر لی۔ اور جونہی ہندوستانی مزدوروں نے کام کرنے سے انکار کیا۔ تو یکے بعد دیگرے سب کانیں بند ہونے لگیں۔ اور مزدوروں کے مالکوں میں سخت اضطراب پیدا ہوا۔ وہ پہلے پہلے اپنے مزدوروں کو ترغیب کے لئے خرچ خوراک دینے رہے آخر مقام ڈربن میں کان کے مالکوں نے بڑی گھبراہٹ میں ایک کانفرنس منعقد کی۔ اور اس کانفرنس میں مسٹر گاندھی کو بھی بلایا۔ مشارالیہ وہاں آئے۔ اور انہوں نے تمام حقیقت حال سنائی۔ اور جو وعدہ مسٹر گوکھلے سے کیا گیا تھا۔ اس کا بھی حوالہ دیا۔ اس کے علاوہ اس امر کی طرف بھی اشارہ

کیا۔ کہ مزدوروں سے صرف اس وقت تک ہڑتال رکھنے کے لئے کہا گیا ہے جب تک تین پونڈ ٹیکس کا قانون منسوخ نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہو گئی اور پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ کہ مزدوروں کے مالک قانون کی منسوخی کے مخالف ہیں۔ کانفرنس نے جنرل سمٹس کو تار دے کر وعدہ کے متعلق استفسار کیا جس کے جواب میں جنرل سمٹس اور جنرل بوتھا دونوں نے جواب دیا۔ کہ ہم نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔ یہ سب سے پہلا موقع تھا۔ کہ ان دونوں جنرلوں نے وعدہ کرنے سے انکار کیا لیکن یہ بات کس قدر پُرمعنی ہے۔ کہ مسٹر فشر آنجہانی نے جو جلسے میں وزرا کے ہمراہ موجود تھے۔ اس سے انکار نہ کیا۔ گو ان کی طبعی حالت انہیں ایسا کرنے سے مانع نہ تھی۔ مسٹر گوکھلے نے فوراً تار دیا۔ جس میں لکھا۔ کہ بلا شبہ تنسیخ کا وعدہ ان سے کیا گیا تھا۔ اور اب جو گورنمنٹ اور کان کے مالکوں نے مخاصمانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہی ہونا تھا۔ کہ جن مزدوروں پر کام پر واپس آنے کے لئے ناجائز دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ ان سے کام چھوڑ دینے کے لئے کہا جائے۔

مسٹر گاندھی نے اپنی نگرانی میں نہایت وسیع پیمانے پر لنگر کا کام شروع کیا۔ اور اپنے نائبوں کی مختصر سی جماعت کے ہمراہ جس میں قابلِ ذکر مسٹر البرٹ کرسٹوفر تھے۔ اور مسٹر کالن باک کی امداد سے ہندوستانی مرد، عورتوں اور بچوں کو نیوکیسل میں جائے سکونت اور خوراک دینی شروع کی۔ مزدور ہزاروں کی تعداد میں وہاں پہنچ گئے۔ اور کانوں کے کام سے چھوٹتے ہی ریل یا سڑک کے ذریعے وہاں دوڑتے چلے آ رہے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ڈنڈی اور لیڈی سمتھ سے نیوکیسل تک جتنے مزدور آئے تھے۔ ان کے مالک بے مزدور رہ گئے۔ گو یہ ایک قابلِ رحم

منظر تھا مگر یہ دیکھ کر خوشی بھی ہوتی تھی - کہ یہ سینکڑوں ہزاروں مزدور اپنا سب
کچھ چھوڑ کر بھی ہڑتال پر ثابت قدم رہتے ہوئے مرکزی مقام نیوکیسل کو جا
رہے تھے - جہاں وہ صرف ایک مٹھی بھر چاول - روٹی اور شکر پر گذارہ کرتے
رہتے - نہ کوئی سامان تھا - نہ پناہ - نہ کھانے پینے کا ٹھکانا تھا - نہ کسی قسم کا
آرام تھا لیکن ایک عظیم الشان امید ان کے ٹوٹے دلوں کو دوبارہ ابھارتی
رہتی تھی - کیونکہ ان کا لیڈر ایک سچا اور جوشیلا شخص تھا - مسٹر کیلن باک نے بھی
نیوکیسل کی میونسپل کمیٹی اور مجسٹریٹوں سے ان کی خاطر لڑائی کی - اور کچھ عرصے
کے بعد مزدوروں کو معلوم ہو گیا کہ مسٹر گاندھی ان کی روزانہ زندگی کی مصائب
میں ہر طرح ان کے شریک حال ہیں - وہ بیماروں کی تیمارداری کرتے ہیں - اور بچوں
کو روٹی کھلاتے ہیں - انہیں علم تھا کہ ہندوستانی مستورات جنہوں نے انہیں
ہڑتال کرنے پر مجبور کیا تھا - ان کی خاطر قید سخت کی مصائب خوشی خوشی جھیل
رہی ہیں - اور انہیں اسی میں اپنی عزت معلوم ہوتی تھی کہ جب تک ٹیکس کا
قانون جو ان میں سے بہتوں کے لئے باعث مصیبت بن رہا تھا - منسوخ نہ ہو
جائے - وہ خاموش مقابلہ کا فرض ادا کرتی رہیں - ان کی عورتیں مردوں سے
کم بہادر نہ تھیں - ایک عورت نیوکیسل کی سڑک پر جا رہی تھی - کہ اس کا بچہ
سردی لگ جانے کے باعث ٹھٹھر کر مر گیا - وہ بولی "ہمیں مرے ہوؤں پر آنسو
نہیں بہانے چاہئیں - بلکہ زندوں کی امداد کرنی چاہئے" یقیناً اس قسم کے
جوش کا انجام کامیابی تھا ۔

جب ان ممبروں کی تعداد بڑھ گئی - تو اتحادی گورنمنٹ کو اپنے فرائض کے
احساس پر مجبور کرنے اور مستقل تدابیر کو عمل میں لانے کی ضرورت تھی ممکن تدبیر

معلوم ہوئی۔ کہ تمام ہڑتالیوں کو ٹرنسوال میں لے جائیں۔ اور وہاں خود گرفتار ہونا اور قید میں پڑنا اختیار کریں۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا۔ کہ ایک سرحدی گاؤں چارلس ٹاؤن میں سب جمع ہوں۔ وہاں جناب ولی بھائی صاحب اور مخدوم صاحب نے بے انتہا امداد دی۔ ایک بہت بڑی بے ہتھیار "فوج" کے سردار بن کر مسٹر گاندھی نے ۳۰۔ اکتوبر کے دن ادھر کوچ بول دیا۔ لیکن کوچ ابھی شروع نہ ہونے پایا تھا۔ کہ چند ہڑتال کرنے والے حراست میں لے لئے گئے۔ اور قید کی سزا ملنے پر جیل میں ڈال دیئے گئے۔ دن بدن سینکڑوں اور ہندوستانیوں نے ریل یا سڑک کے ذریعے چارلس ٹاؤن کو کوچ کیا۔ اور وہاں ہیلتھ افسر ضلع ڈاکٹر بریسکو کے انتظام حفظانِ صحت کے ماتحت ایک وسیع کیمپ قائم کیا گیا۔ جوہانسبرگ اور ڈربن کے ہندوستانی سوداگر لگاتار سامانِ خوراک بھیج رہے تھے۔ ہندوستان سے بھی تار کے ذریعے بڑی بڑی رقمیں برابر پہنچ رہی تھیں۔ ان رقموں سے بھی اشیائے خوردنی خرید کر مرد۔ عورتوں اور بچوں میں جن کا شمار آخر کار تین ہزار سے زیادہ ہو گیا تھا تقسیم کر دی جاتی تھیں۔

اس اثنا میں مسٹر گاندھی نے گورنمنٹ کو تار دے کر مجمع کی خواہشات اور مطالبات سے آگاہ کیا۔ لیکن گورنمنٹ نے بظاہر اس تنبیہ کا کچھ خیال نہ کیا۔ اس وقت ڈپٹی پرنٹنڈنٹ وں نے بے انتہا کوشش کی۔ کہ ہڑتال کرنے والوں کو کام پر واپس جانے کے لئے رضامند کر دیں۔ لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ چنانچہ ان کی بہت سی ٹولیاں گرفتار کی گئیں۔ اور بالآخر جیل میں ڈال دی گئیں۔

اطلاع دینے سے ایک ہفتہ [illegible] مسٹر گاندھی نے مشہور [illegible]

ٹرانسوال کا آغاز کیا جس میں دو ہزار لوگ ان کے ہمراہ تھے۔ بچے اور عورتیں

پیچھے چارلس ٹاؤن میں مس شلیسن، و مسٹر کیلن باک کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے - اور وہ دونوں دن رات ان کی مصیبت کو ہلکا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے - مسٹر پولک نے انتظام کیا - مگر مسٹر گاندھی بعض انتظامات کی غرض سے پیچھے رہ گئے تھے - اب وہ بھی پہنچ گئے - اور جو پولیس افسر سپاہیوں کی ایک مختصر سی جماعت ساتھ لئے شہر کے صدر دروازہ پر متعین تھا - ان سے ملاقات کرنے کے لئے آئے - جب یہ ابتدائی مرحلہ طے ہو رہا تھا - تو باقی تمام گروہ سے صبر نہ ہو سکا - اور ہندوستانیوں کی وہ جماعت جو پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور غریبانہ اسباب سر پر اٹھائے ہوئے تھی - اس بات پر تُل کر کہ ماریں گے یا مرینگے - والکسرسٹ کی گلیوں میں پھیل گئی - اور انہوں نے پولیس کی مٹھی بھر جماعت کو اس طرح ہٹا دیا - جس طرح کوئی گرد کے ناچیز ذروں کو اپنے جسم پر سے جھاڑ دیتا ہے - انہوں نے شہر کی دوسری جانب پڑاؤ ڈالا - اور عظیم الشان کوچ شروع کر دیا - یہ ارادہ کیا گیا تھا - کہ ۲۵ میل روزانہ کے حساب سے کوچ ہوگا - یہاں تک کہ سب گرفتار ہو جائیں یا جوہانسبرگ کے قریب لالی کی ٹالسٹائی فارم تک پہنچیں - اور گورنمنٹ کو ہر ایک پڑاؤ کے متعلق اطلاع دیں - اندازہ کیا گیا تھا - کہ اگر جلد گرفتار نہ ہوئے - تو وہ آٹھ دن میں منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے - اور ان کے کوچ کے جوش و سرگرمی سے ظاہر ہوتا تھا - کہ یہ سفر نہیں - کوئی معجزہ ہے - لوگ ایسے سفر کے عادی نہیں تھے - سر پر بوجھ اٹھائے ہوئے - سادہ زندگی بسر کرنے والے - بھتوڑی اور ادنےٰ خوراک پر گزران - لیکن وہ اس طرح بڑھ رہے تھے - گویا ایک دریا ہے - کہ موجیں مار رہا ہے - اسی رات وہ پام فورڈ پہنچ

گئے۔ وہاں مسٹر گاندھی کے لئے شاندار قسم کی دعوت کے انتظامات کئے گئے تھے لیکن انھوں نے اس شاندار دعوت جاتی اعزاز کے قبول کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کے سب ہندوستانی ہمراہی اس میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔

اس اثنا میں گورنمنٹ ابھی بالکل ٹھیک پالیسی پر قائم نہ رہ سکی تھی لیکن جیسے کہ اکثر موقعوں پر بعض گورنمنٹوں سے ناعاقبت اندیشانہ حرکات صادر ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس گورنمنٹ نے بھی ایک فاش غلطی کی۔ کہ مسٹر گاندھی کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کر دیا۔ صرف اس خیال سے۔ کہ اس طرز عمل سے ہندوستانیوں کی فوج بے سر اور بے دل ہو جائے گی۔ اور ان کا جوش سرد پڑ جائیگا۔ مسٹر گاندھی نے نہایت تحمل سے پام فورڈ کے وارنٹ کی تعمیل کی۔ اور حکام کی درخواست پر اپنے بعض ہمراہیوں کی طرف اشارہ کیا۔ کہ یہ گواہی دینگے کیونکہ بغیر اس کے حکام آپ کے خلاف کوئی مقدمہ قائم نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کو فوراً ایک موٹر میں بٹھا کر والکرسٹ لے گئے۔ گو سردار نہ رہا۔ لیکن فوج نے نہایت خاموشی اور صبر سے اپنا کوچ جاری رکھا۔ اور اپنے عزیز ترین لیڈر کی گرفتاری سے بظاہر ذرا بھی متاثر نہ ہوئی۔

والکرسٹ میں مسٹر گاندھی پر پردیسیوں کے قانون کی خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا۔ لیکن جب انھوں نے ضمانت کی درخواست کی۔ تو اس خیال سے ان کی عرضی منظور کر لی گئی۔ کہ ایک بہت بڑی جماعت ان کے ماتحت تھی۔ اور وہی ان کے کفیل تھے۔ مگر یہ سوچ کر کہ اگر لوگ بغیر کسی لیڈر کے چھوڑ دیئے گئے۔ تو بہت سے نقصانات کا احتمال ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل تار وزیر علاقہ اندرونی کو دیا:-

"دراں حالیکہ میں گورنمنٹ کی یہ بات پسند کرتا ہوں۔ کہ اس نے خاموش مقابلہ کے اصلی سرگروہ کو پکڑ لیا ہے۔ یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ کہ انسانیت کے نکتہ نگاہ سے گورنمنٹ نے یہ طرز عمل نہایت غیر موزوں وقت میں اختیار کیا۔ گورنمنٹ کو شاید علم ہے۔ کہ کوچ کرنے والوں میں ۱۲۲ عورتیں اور ۵۰ نازک بچے بھی ہیں جو تمام نہایت قلیل خوراک پر سفر کر رہے ہیں۔ اور جنہیں قیام کے موقعوں پر کوئی سائبان تک بھی نصیب نہیں۔ اس حالت میں مجھے ان سے چھین لینا انصاف سے بعید ہے۔ گذشتہ شب کو جب مجھے گرفتار کیا گیا۔ تو میں کسی کو اطلاع نہ دے سکا۔ اور یونہی بے اطلاع وہاں سے رخصت ہو گیا۔ ممکن ہے کہ وہ سب غضبناک ہو جائیں۔ اس لئے یا تو مجھے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوچ کی اجازت دی جائے۔ یا گورنمنٹ انہیں ریل کے ذریعے ٹالسٹائی فارم میں پہنچا دے۔ اور ان کی پوری خوراک کا بندوبست کر دے۔ جس حالت میں گورنمنٹ ان کی ضروریات کا انتظام نہیں کرتی۔ اور وہ سب مجھ پر اعتماد رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو میرے بغیر چھوڑ دینا ایک ناموزوں فعل ہے۔ اور میرے نزدیک اگر گورنمنٹ اس پر دوبارہ غور کریگی تو اس سے قطعاً باز آ جائے گی۔ اگر کوچ کی آیندہ مراحل میں کوئی نامناسب واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ یا اموات واقع ہوئیں۔ خصوصاً ان عورتوں میں جن کی گود میں بچے ہیں۔ تو اس کی ذمہ وار گورنمنٹ ہوگی"۔

اس انسانیت سے بھری ہوئی درخواست کا کوئی جواب نہ آیا۔ لیکن یہ سمجھ لیا گیا۔ کہ گورنمنٹ اتنے زیادہ مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو اپنے زیر عاطفت لینے کو تیار نہیں۔ مسٹر گاندھی کی گرفتاری کے وقت "نٹال مرکری" کے خاص

نامہ نگار نے اپنے اخبار میں چارلس ٹاؤن کی حالت کا مندرجہ ذیل دلچسپ بیان لکھا :-

"گذشتہ رات ساڑھے آٹھ بجے کے قریب ہم پام فورڈ میں پہنچے۔ اور ان سب کو سٹیشن کے پیچھے سوتے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے بعض سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔...... پانچ تاریخ کو (کوچ شروع ہونے سے پہلے) میں دو دفعہ چارلس ٹاؤن گیا۔ تمام شہر ایک ہندوستانی بازار کی مانند نظر آ رہا تھا۔ شہر ہندوستانیوں سے بھرا ہوا تھا۔ شروع شروع میں حفظانِ صحت کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تھا اور صحت کے اعتبار سے ان کی حالت نہایت ردی تھی۔ لیکن بعد میں مسٹر گاندھی نے میونسپل افسروں کو بہت مدد دی۔ اور اس سے حالت بہت سدھر گئی۔ میں نے دیکھا۔ مسٹر گاندھی صحن میں ایک ہندوستانی سٹور کے پیچھے اپنے ہمراہیوں کو سالن اور چاول بانٹ رہے تھے اور سب آدمیوں کو اپنا اپنا حصہ مل رہا تھا۔ ایک تنور والے نے صرف ایک دن میں ہندوستانیوں کے ہاتھ پانچ ہزار روٹیاں فروخت کیں"۔

مسٹر گاندھی ضمانت پر رہا ہوتے ہی موٹر میں بیٹھ کر اپنے ہمراہیوں سے جا ملے۔ اور ان کے ساتھ کوچ میں شامل ہو گئے پاردی برگ تک سب خاموشی سے بڑھتے گئے۔ یہاں چند رہ نورد ان مصیبت آبلہ پائی سے مجبور ہو کر پیچھے رہ گئے تھے۔ باقی عورتیں اور بچے بھی ان کی نگرانی میں چھوڑ دئے گئے۔ آٹھویں تاریخ کی صبح کو یہ ہجوم سٹینڈرٹن پہنچا۔ وہاں چند ہڑتال کرنے والوں کو ان کے مہتموں نے تھوڑی سی پولیس کی امداد سے گرفتار کر لیا۔ اور ٹرین میں بٹھا کر نٹال روانہ کر دیا۔ یہاں بھی مسٹر گاندھی اسی پہلے

الزام میں گرفتار کئے گئے۔ اور آپ نے پھر ضمانت پر رہائی ملنے کی درخواست کی۔ ہڑتال
کرنے والوں کے تیور بدل رہے تھے۔ اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ جب تک
ہمارے لیڈر کو رہائی نہ دی جائیگی۔ ہم عدالت کے ارد گرد سے منتشر نہ ہونگے۔
اس سبب سے مسٹر گاندھی کی درخواست منظور کی گئی اور کوچ فوراً پھر شروع
ہو گیا۔

نویں تاریخ کا اتوار ایک تاریخی اتوار تھا۔ ہندوستان رخصت ہونے سے
پیشتر مسٹر گاندھی سے آخری مشورہ لینے کی غرض سے مسٹر پولک نے آپ
کو تار دیا تھا۔ کہ وہ بھی آکر فوج میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں
اس مضمون کا تار آیا۔ کہ مقام گریے لنگ سٹاڈ پر ملاقات ہو۔ مگر ساتھ ہی تنبیہہ
بھی کر دی گئی۔ کہ اگر وہ آئے۔ تو ان کے گرفتار ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے
وہ ایک چھوٹے سے مقام ٹھیک وقت پر جو گریے لنگ سٹاڈ سے سٹینڈرٹن کی جانب
چند میل پر واقع تھا۔ مجمع سے آن ملے۔ فوج سڑک پر تین میل تک پھیل گئی۔
ایک کمزور۔ سنجیدہ اور ناتواں شخص نہایت بھدے سے کپڑے پہنے ہاتھ میں عصا تھامے
ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان و سکون برس رہا تھا۔ اور
اس کی آنکھیں یقین و اطمینان کے نور سے چمک رہی تھیں۔ وہ خاموش مقابلہ
کا رکن اعظم گاندھی تھا۔ دونوں دوست نہایت تپاک سے ملے۔ اور ایک دوسرے
کو خبریں سنانے لگے۔ وہ اس طرح گفتگو میں مشغول تھے۔ کہ گریے لنگ سٹاڈ سے
کچھ دور ایک مقام پر ایک گاڑی دکھائی دی۔ اور چند پولیس افسر نہایت تیزی
سے آتے ہوئے نظر آئے۔ ان کے پیچھے مسٹر ایم چمنی ٹرانسوال کے محکمہ نقل مکانی
کے افسر اعلیٰ تھے۔ مسٹر چمنی نے اس مظاہرے کی اور ہندوستانی لیڈر کے افعال

کی سکون آمیز کیفیت کا اعتراف کیا - اور ایک وارنٹ کی رو سے جو نٹال کے قانونِ مزدوری کے ماتحت جاری کیا گیا تھا مسٹر گاندھی کو حراست میں لے لیا - گاڑی اس معزز مہاجر کو بٹھا کر چلتی ہوئی - اور لوگوں نے مسٹر پولاک کی سرکردگی میں جنہوں نے اُسی وقت ہر ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی - اپنا کوچ جاری رکھا - اور ان کے پیچھے پیچھے پولیس کے دو سوار چلتے رہے ٭

مسٹر کچالیا مسٹر بھایت اور والکسرسٹ کے مسٹر بیڈٹ جو لنگروں کے منتظم تھے اتفاق سے ایک دوسری سڑک پر ہو کر بچھڑ گئے - مسٹر پولاک کو ان کے متعلق کچھ علم نہ تھا لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ایک دوسرے راستے سے ہو کر یہ لوگ پھر ان سے آملے - اور سب نے بالفور کی جانب بڑھنا شروع کیا - کیونکہ قرارداد کے مطابق صبح کو وہیں پہنچنا تھا - اور وہاں کھانے پینے کے سامان کا انتظام بھی موجود تھا - شام کے وقت آسمان صاف اور موسم خوشگوار تھا - کھانا پکانے کے چولھوں کی قطار ایک سرے سے دوسرے سرے تک روشن تھی - اور ان سے منظر نہایت دلچسپ ہو گیا تھا - لیکن جب نیند کے جھونکے آنے شروع ہوئے - تو پڑاؤ کی گہما گہمی اور گفتگو کی آواز خاموشی میں ڈوب گئی - رات کو آسمان نے تیور بدلے - ساتھ کی پہاڑیوں سے سرد ہوا کے جھونکے سنسناتے ہوئے آئے - اور اس بے پناہ جماعت کی مصیبت کو باد و باراں کی مصائب نے اور مصیبت ناک بنا دیا - لیکن یہ رات بدشگون رات تھی - گو کوچ کرنے والے آگاہ نہ تھے - مگر قضا و قدر فیصلہ کر چکی تھیں کہ آئندہ صبح یہ کوچ تمام ہو جائیگا - اگلے دن صبح کے چار بجے کوچ شروع ہو گیا - اور ان جوانمردوں نے دلیرانہ قدم اُٹھانے شروع کئے - گو ان کے ہمراہ کوئی بار برداری کی گاڑیاں نہ تھیں - خود ہی لدے پھندے تھے - کھانے کو خوراک تک

نصیب نہ تھی۔ لیکن انہوں نے گریٹ لنگ سٹاڈ اور بالفور کے درمیان ۳۱ میل کا فاصلہ ۴/۳ ۳ گھنٹے کے عرصے میں طے کر لیا۔ جب ان لوگوں نے بالفور کی طرف کوچ شروع کیا۔ تو یہ پولس کی حراست میں نہ تھے۔ لیکن جب ۹ بجے سے کچھ پیشتر وہ بالفور پہنچے۔ تو انہیں معلوم ہو گیا۔ کہ اب کوچ کا آخری مقام آپہنچا ہے۔ تین سپیشل ٹرینیں وہاں اس غرض سے پہنچی ہوئی تھیں۔ کہ ہڑتالیوں کو نٹال واپس لے جائیں۔ جو پولیس افسران لوگوں کے لے جانے کے انتظامات کا ذمہ وار تھا۔ وہ اور مسٹر چمنی مسٹر پولک کے پاس آئے اور اُن سے کہا۔ کہ وہ اس تمام فوج کو گرفتار کرنے میں امداد دیں ۔

جب مسٹر پولک کو اس بات کا یقین ہو گیا۔ کہ یہ سب لوگ حقیقت میں نٹال ہی بھیجے جائیں گے۔ اور وہاں ان کو مجرم قرار دینے کے بعد ان کے متعلق قانونی کارروائی کی جائیگی۔ تو انہوں نے کہا۔ بسم اللہ میں نہایت خوشی سے تیار ہوں کیونکہ اس کوچ کا جو حقیقی مقصد تھا۔ وہ بر آیا۔ اور میری ذاتی ذمہ داری تمام ہو چکی ۔۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی گرفتاری کی درخواست کی لیکن افسروں نے کہا۔ کہ گورنمنٹ آپ کو گرفتار کرنا نہیں چاہتی ۔ اس پر انہوں نے افسروں کو سمجھایا۔ کہ مسٹر گاندھی کو ان لوگوں سے زبردستی علیحدہ کرا دیا گیا ہے اور ان میں سے بہت کم لوگ مجھ سے صورت آشنا ہیں۔ اس حالت میں میرا ان لوگوں سے یہ کہنا کہ وہ اپنے آپ کو گرفتار کروا دیں۔ بہت ٹیڑھا معاملہ ہے آخر مسٹر گاندھی نے جو گرفتار ہو کر ہیڈ برگ کے راستے ڈنڈی جا رہے تھے۔ لوگوں کو اپنا پیغام بھیجا۔ کہ وہ خاموشی سے اپنے آپ کو گرفتار کروا دیں ۔

مٹھی بھر چاول اور روٹی غرض جتنی خوراک مہیا ہو سکتی تھی۔ ہر ایک کو دی

گئی۔ اس کے بعد مسٹر چمنی نے ان لوگوں سے ان کے حقوقِ اقامت کے متعلق سوال کئے۔ اور انہیں اطلاع دی۔ کہ ان کے وہاں وارد ہونے کی ممانعت کی گئی ہے ۔

تھوڑی دیر تک نہایت پریشانی رہی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ کہ کیا کیا جائے بعض منچلے جنہوں نے جوہانسبرگ پہنچنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ جمعیت کے آگے بڑھنے پر مصر تھے۔ لیکن مسٹر پولاک نے اس تحریک کے خطرناک انجام کو بھانپ لیا۔ کہ اس کا نتیجہ قتل و خون ہوگا۔ پلک جھپکنے میں بیس پولیس افسروں کی مختصر سی جماعت تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اور لوگوں کی ایک ناقابل انتظام جماعت تمام ٹرانسوال میں آوارہ پھرنے کو آزاد ہو جائے گی۔ جن کا پھر کسی جگہ کوئی سراغ نہ مل سکیگا چنانچہ مسٹر پولاک۔ مسٹر کیلنباخ اور ٹھاکر کو ساتھ لے کر تیزی سے جماعت کے مقابل پہنچے۔ اور لوگوں سے نہایت عجز و انکسار سے درخواست کی۔ کہ انہیں یاد رکھنا چاہئے۔ کہ خاموش مقابلہ کرنے والوں کی حیثیت سے ان کی منزل مقصود جوہانسبرگ نہیں بلکہ جیل ہے ۔ پھر امن و امان قائم ہو گیا رفتہ رفتہ لوگوں کی مختصر ٹولیاں بنا بنا کر ان کو ریل میں سوار کرایا گیا۔ اور مسٹر پولاک بھی پہلی ریل میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ اور چارلس ٹاؤن پہنچنے کے تھوڑے عرصے بعد ہی باقاعدہ حراست میں لے لئے گئے۔ یہاں پر ہڑتال کرنے والے بغیر خوراک یا پانی کے کامل آٹھ گھنٹے قید میں رہے ۔ اور جب ان کے لے جانے کے لئے ریلیں آ پہنچیں۔ تو وہ بھی صرف چند منٹ یہاں ٹھہرائی گئیں مسلح پولیس پلیٹ فارم پر موجود تھی۔ اور ان عورتوں کو ہٹا رہی تھی جو کوچ کرنے والوں کی جماعت میں سے یہاں ٹھہر گئی تھیں۔ اور اب آنسو

بھری آنکھوں، اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے اپنے مردوں کو کہہ رہی تھیں۔ کہ تم ہمارا خیال نہ کرو۔ بلکہ اپنے فرائض یاد رکھو۔ ریل بھاپ اڑاتی ہوئی جنوب کی طرف روانہ ہوئی۔ اس میں دو ہزار مصیبت زدہ بہادر تھے جنہیں موجودہ مصائب سے بھی زیادہ سخت مصائب اور ایک نہایت شرمناک سلوک کے لئے لے جایا جا رہا تھا لیکن انہیں اس بات کے علم سے اطمینان و استقلال تھا۔ کہ وہ جس کام کے لئے کمر ہمت باندھ کر گھروں سے نکلے تھے۔ وہ انہوں نے کرلیا ہے۔ اور اب اس قابل نفرت قانون کی تنسیخ یقینی ہے۔ وہ عظیم الشان اور موثر کوچ تمام ہو چکا تھا۔

اخبار ٹائمز نے لکھا تھا۔ کہ خاموش مقابلے کی تاریخ میں یہ واقعہ ایسا ہے جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اس کے جاری کرنے والے لیڈروں نے اپنے دلچسپ خوابوں میں جن مقاصد کے حاصل کرنے کی امید کی تھی۔ وہ انہوں نے پورے پورے طور پر حاصل کرلئے۔ اور اس وقت تک اس قدر عمدہ حسن و خوبی سے خاموش مقابلے کا سخت تحمل و برداشت۔ ناقابل شکست استقلال۔ عزم صادق اور ایثار ظاہر کیا۔ جو اور کسی صورت ظاہر نہ ہو سکتا تھا۔ کامیابی یقینی تھی۔ کم سمجھ نقادوں کے خیال کے مطابق یہ شکست نہ تھی۔ چنانچہ اگر ہڑتالیوں نے اپنے لیڈروں کی ہدایات کے مطابق تحمل۔ خاموشی اور تمام احتیاطوں سے کام نہ لیا ہوتا۔ تو گورنمنٹ جتنی فوجیں جمع کر سکتی تھی۔ وہ تمام انہیں ٹرنسوال میں سیلاب کی طرح پھیل جانے سے نہ روک سکتیں۔ ان غریب مزدوروں کے اس خاموش مقابلے کا اختتام نہایت شاندار نکلا جو انہوں نے اپنی بیویوں اور بچوں کی آزادی حاصل کرنے کو عزم صادق سے اختیار کیا

تھا۔ یہ صداقت کی ایک شاندار فتح تھی۔ بھارت ماتا کا احترام قائم ہو گیا تھا۔ مسٹر گوکھلے کے الفاظ پورے اُتر چکے تھے ۔

مسٹر اینڈروز اور مسٹر پیرسن کی کمیشن کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پارلیمنٹ میں سرگرم بحث مباحثے ہونے کے بعد ۱۹۱۴ء میں ایکٹ نمبر ۲۲ پاس ہوا۔ جس کی رو سے تین پونڈ کا ٹیکس ہمیشہ کے لئے معاف ہو گیا۔ اور جو لوگ میعادی مزدور بنے بغیر نٹال میں اقامت پذیر ہونا چاہتے تھے۔ ان کو نٹال میں رہنے کی اجازت مل گئی ۔

حقیقی فتح ان کوچ کرنے والوں کی روحانی قوت کی ہے۔ وہ فاقے کرتے تھے خراب وخستہ ہوتے تھے۔ اور پھر ایک تازہ جوش سے زیادہ حوصلہ پاکر ابھرتے تھے۔ اور شکست ان لوگوں کی حیوانی قوت کی ہے۔ جنہوں نے یہ ارادہ بنالیا تھا۔ کہ مظلوم ومحکوم لوگوں کو ہمیشہ ایک غلامی کی حالت میں رکھیں گے ۔"

تحقیقاتی کمیشن

چنانچہ اس طرح اس عظیم الشان کوچ کا اختتام ہوا۔ قانون کی قوت اور حکومت کا رعب برقرار رکھنے کے لئے لوگ پھر گرفتار کئے گئے اُن پر مقدمے چلائے گئے۔ اور سینکڑوں ہزاروں کو قید کیا گیا۔ مسٹر گاندھی بھی جو بیان مندرجہ بالا کے مطابق والکسرسٹ میں ضمانت پر چھوڑ دئے گئے تھے۔ گرفتار کئے گئے۔ اور انہیں پندرہ مہینے قید کی سزا ہوئی۔ مقدمے کے وقت مسٹر گاندھی نے والکسرسٹ میں عدالت کو خطاب کر کے کہا۔ کہ میں نے اندرونی علاقے کے وزارکو پیشتر ہی سے اطلاع دے

دی تھی - کہ میں پردیسیوں کے ہمراہ سرحد کو عبور کرونگا - اور میں والکسرسٹ
میں پردیسیوں کے متعلق افسروں کو بھی سرحد عبور کرنے کی تاریخ
سے مطلع کر چکا تھا - مسٹر گاندھی نے عدالت کو یقین دلایا - کہ موجودہ
تحریک کا یہ مقصد ہرگز نہیں - کہ کسی ایک ہندوستانی کو بھی قانون
کے خلاف ٹرانسوال میں اقامت اختیار کرنے کی غرض سے آنے کی
اجازت دی جائے - بلکہ وہ خود اس بات کا کسی قدر دعوی کر سکتے ہیں -
کہ جتنے عرصے سے وہ ٹرانسوال میں موجود ہیں - ان کی آرزو رہی ہے -
کہ وہ پوشیدہ آنے والوں کے روکنے میں گورنمنٹ کو امداد دے سکیں
اور ٹرانسوال میں ایسے لوگوں کو اقامت اختیار نہ کرنے دیں - لیکن
جس دفعہ کی رو سے اُن پر الزام لگایا گیا ہے - اس کا ارتکاب اُن سے
ہرگز نہیں ہوا - انہیں علم تھا - کہ ان کا یہ کام بے انتہا خطرات اور بہت
سے نقصانات سے پُر ہے - انہیں یقین تھا - کہ اتنی مصائب برداشت
نہ کی گئیں - تو گورنر یا متحدہ ریاستوں کے لوگوں کے دل پسیجیں گے -
اور وہ اپنے تئیں باوجود خلاف ورزی قانون ریاست ہائے مذکور کا
ایک پابند قانون اور صحیح الحواس باشندہ تسلیم کرتے ہیں - کوئلے کی کانوں
کی ہڑتال کا اثر اس عرصے میں پھیلتا پھیلتا نٹال کی کاشت نیشکر
تک پہنچ گیا تھا - اس علاقے میں اس اثر کو دبانے کے لئے نہایت
درندگی سے کوششیں کی گئیں - لوگوں پر گولیاں چلائی گئیں
بہت سے مزدور زخمی ہوئے - اور کئی مارے گئے ۔

تحمل و برداشت کا پیالہ اب لبریز ہو چکا تھا - ہندوستان

میں بھی لوگوں کے جوش و خروش کا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ اور ہندوستان
کی گورنمنٹ اس حالت سے بہت گھبرا رہی تھی۔ چنانچہ ہندوستان
کے وائسرائے لارڈ ہارڈنگ نے اپنی مدراس کی مشہور و معروف
تقریر میں اپنے آپکو ہندوستان کے لوگوں کا ہمرائے کہا۔ اور یہ تجویز
کی۔ کہ اس تمام معاملے کی تحقیق کے لئے ایک نہایت عمدہ تحقیقاتی
کمیشن بنائی جائے۔ اسوقت امپیریل حکام نے بھی اس قدر کوشش
کی۔ کہ پہلے کبھی نہ کی تھی۔ اس ظالمانہ پالیسی کے موجدوں نے بھی
جو اس قدر بربادی، تباہی اور رنج و غم کے باعث ہوئے تھے۔ اب
نرم دلی کے نشانات ظاہر کئے اور لوگوں کا یہ مطالبہ ماننے کے لئے تیار
ہوگئے۔ کہ ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کی جائے۔ لیکن جب یہ کمیشن قائم
ہوئی۔ اور یہ معلوم ہوا۔ کہ سر ولیم سالومن اس کے صدر قرار پائے ہیں
تو کمیشن کا قائم ہونا نہ ہونا یکساں معلوم ہوا۔ اور ہندوستانی لیڈروں نے
ارادہ کرلیا۔ کہ وہ اس کمیشن کو ہرگز تسلیم نہ کرینگے۔ حالات کی یہ نازک
حالت تھی۔ کہ ہندوستان کے مشہور پادری سی ایف اینڈ ریوز اور مسٹر
پیرسن صاحبان جنوبی افریقہ پہنچے۔ یہ دونوں بزرگ واقعی غم دیدہ ہندوستانیوں
کے سچے خیرخواہ تھے۔ انہوں نے با اثر حلقوں میں مستقل مزاجی
سے کوشش کرکے سب کے دلوں میں سچائی کی ایک تازہ روح پھونکنے
کی جد و جہد کی۔ جملہ امور کے متعلق سالومن کمیشن کی جو تجویزیں تھیں۔
وہ ان کو بغرض رپورٹ سپرد کی گئیں۔ جو ہر طرح ہندوستانیوں کے حق
میں مفید معلوم ہوئیں۔ متحدہ ریاستوں کی گورنمنٹ نے بغیر کسی اعتراض

کے کمیشن مذکور کی سفارشوں کی تائید کی۔ اور قانون انڈین ریلیف ایکٹ یعنی ایکٹ دادرسیٔ اہلِ ہند پاس کر کے سفارشہائے مذکور کو منظور کر لیا۔ اِس سے ہندوستانی لوگ مطمئن ہو گئے۔ اور مسٹر گاندھی نے باقاعدہ طور پر اعلان کر دیا۔ کہ آج سے ہمارا خاموش مقابلہ ختم ہو گیا +

اس موقعہ پر یہ بیان کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ کہ اِس آٹھ سال کے عرصے تک اتنی شدید مصائب برداشت کرنے کے بعد کیا کیا نتائج ظہور پذیر ہوئے۔ اس کامیابی کا اصل مطلب سمجھ میں نہ آئیگا اگر شروع ہی سے یہ بات واضح طور پر ذہن نشین نہ کر لی جائے۔ کہ ہماری لڑائی اوّل سے آخر تک محض اخلاقی اور روحانی تھی۔ اور کوئی مادی اغراض حاصل کرنے کے لئے نہیں کی گئی تھی۔ اس کا مدعا محض حفاظتِ حقوقِ انسانیت تھا۔ اور اس نقطہ نظر سے یقیناً اس کو اپنے اغراض میں اس قدر کامیابی ہوئی۔ کہ شائد مجوزان مقابلہ کو یہ کامیابی خواب میں بھی نظر نہ آئی ہو گی۔ یہ مقابلہ خود کامیابی کے اسباب میں اہل تھا۔ اور یہ مقابلہ ہی اس کی غایت تھی۔ جن لوگوں کو ان مقابلہ کرنیوالوں کی خصلت وسیرت کی بلندی اور ان کے ارادوں کے جوش کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک مادی نتائج کا ذکر ایک حقیر و ناچیز خیال ہے۔ اُن کے نزدیک یہ نتائج خودداری کا اعلیٰ سبق تھے۔ ان کو وہ روحانی کیفیت حاصل ہو گئی۔ جسے میدانِ کوشش میں روحانی سعی و کامیابی کے بے پایاں اُفق کے سوا اَور کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ان کو معلوم ہو گیا۔ کہ معمولی خود غرضی انسان کی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ ہر ادنیٰ

اور اعلیٰ شخص کی روح کی انتہائی گہرائیوں میں وہ فردوس موجود ہے جس میں ہم سب ایک نہ ایک روز بیدار ہونگے ۔

علاوہ ازیں ان لوگوں نے اپنی اولاد اور اولاد کے بچوں کے لئے ایک بہادرانہ ماضی کی بیش بہا یادگار پیدا کر دی ہے ۔ اور مدت دراز تک آنیوالی نسلوں میں یہ بات فخریہ بیان کی جایا کرے گی ۔ کہ ہمارے بزرگوں نے کس تحمل سے ظلم و ستم کو برداشت کیا ۔ اور اپنی عزت و وقار کے سوا ہر چیز پر لات ماردی ۔ کیا خود وہ بھارت ماتا جس نے آج تک رام ۔ سیتا اور پانڈے بھائیوں کی داستانیں خزائن ادب میں محفوظ رکھی ہیں ۔ اپنے ان دور افتادہ غریب بچوں کے افسانہ غم کو ہمیشہ زندہ نہ رکھے گی ؟ آئندہ دنیا جب ان کارناموں کا زریں بیان پڑھے گی تو کیا اس کو انسانی ہستی میں خدائی عنصر کی موجودگی کا احساس نہ ہوگا کیا اِس خاموش مقابلے نے دنیا کے بہادرانہ کارناموں کی تاریخ میں ایک اور باب کا اضافہ نہیں کر دیا ؟

تذکرہ شہدائے افریقہ

اب ہم ان شہدائے وطن کا قصہ بیان کرتے ہیں ۔ جو اس مقصد کے لئے اپنی جان دینے کو پیدا ہوئے تھے ۔ ان میں سے ایک وہ کم عمر لڑکی تھی جس کا نام والی آما تھا ۔ مسٹر گاندھی نے اس کے متعلق کہا ہے ۔ وہ سیدھے سادے عقائد رکھنے والی لڑکی تھی ۔ اُسے میری معلومات کی کچھ خبر نہ تھی ۔ وہ کچھ نہ جانتی تھی ۔ کہ خاموش مقابلہ کیا ہے

اسے علم نہ تھا۔ کہ اس سے لوگوں کو کیا فائدہ پہنچیگا لیکن اس کے نھنّے سے
دل میں اپنی قوم کے لوگوں کے لئے بے انتہا جوش ہمدردی بھرا ہوا
تھا۔ وہ بچاری بھی جیل خانے میں گئی۔ اور ایسی خراب وخستہ حالت
میں وہاں سے نکلی۔ کہ چند روز میں ہی مرگئی"۔ سرزمین تامل کے دو
نوجوان تھے۔ جن میں سے ایک نوجوان کا نام نگپّن اور دوسرے کا نام
نارائن سوامی تھا۔ ان میں سے پہلا شخص بھی قید سے نکلتے ہی چند
روز بعد مرگیا۔ اور دوسرا جنوبی افریقہ میں اُترنے کی کوشش کرکرکے
ہارگیا۔ اور آخر خلیج ڈلگوا میں شہید ہوا۔ ایک اَور بڈھا آدمی ہرسنت سنگھ
تھا۔ یہ ایک تنومند مضبوط ہندوستانی تھا جس وقت وہ خاموش مقابلے
کے سلسلے میں جیل خانے بھیجا گیا۔ تو اس کی عمر ۷۵ سال کی ہوگی۔
جب مسٹر گاندھی نے اس سے پوچھا۔ کہ آپ یہاں کیوں آگئے۔ تو
اُس نے جواب دیا "اس میں مضایقہ ہی کیا ہے۔ تم جس چیز کے لئے
لڑ رہے ہو۔ میں اُسے سمجھتا ہوں۔ تمہیں تین پونڈ کا ٹیکس ادا نہیں کرنا
پڑتا۔ مگر میرے جن ہندوستانی بھائیوں کی میعاد مزدوری ختم ہوجاتی
ہے۔ انہیں یہ ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے۔ پس اس مقصد کے لئے مرنے
سے زیادہ شاندار موت مجھے کہاں مل سکتی ہے"۔ چنانچہ اس کی موت
ڈربن کے جیل خانے میں آئی۔ فرنگیوں کے دل میں اس وقت تک
ہندوستانیوں کے متعلق جس قدر نفرت وحقارت تھی۔ اب اس میں
بھی کمی آگئی۔ اور ایک عزت واحترام کے خیال نے اس کی جگہ لے
لی۔ کم از کم ریاستہائے متحدہ کے عالی ظرف لوگوں کے دلوں سے

قومی تفوق کا خیال جاتا رہا۔ اور محض قومی وجوہات کی بنا پر امتیاز حاصل کرنے کا اصول مٹ گیا۔ مردانگی کے لباس فاخرہ نے غلامی کی چیتھڑوں کی جگہ لی۔ اور ان تمام امور سے بھارت ماتا کے نام پر ایسا نور چمکا۔ جو ہمیشہ ہمیشہ درخشاں رہیگا +

سب سے بڑی بات یہ ہوئی۔ کہ اس مقابلے نے اس دُبلے پتلے شخص کی ہستی کو جس کا نام "موہن داس کرم چند گاندھی" ہے دنیا کے سامنے بے نقاب کرکے اس کے صحیح خط و خال آشکارا کر دئے اور بتا دیا۔ کہ وہ اخلاقی لحاظ سے محض انسان نہیں۔ بلکہ ایک دیوتا ہے ایک روحانی سورما ہے۔ اور خدا کا بھیجا ہوا ایک دلیر اور شجاع سپاہی ہے۔ اس مقابلے سے مادی فائدے بھی کچھ کم حاصل نہیں ہوئے وہ قابلِ نفرت قانون جو بنائے فساد تھا۔ منسوخ کیا گیا۔ تین پونڈ کا ٹیکس موقوف ہوا۔ ہندوستان کے نکاح تسلیم کئے گئے۔ میعادی مزدوری کے طریق کا خاتمہ ہوگیا۔ اور بڑی بات یہ ہوئی۔ کہ ہندوستانیوں کو جنوبی افریقہ سے نکالنے کے لئے جو مزید قانون جاری ہونے والے تھے۔ اور یقیناً عنقریب جاری ہو جاتے۔ بِن کِھلے مرجھا گئے۔ لیکن ان تمام فوائد میں سے کسی ایک کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ بالکل مادی تھا +

اب بھی بہتیری ایسی تکالیف ہیں۔ جو ریاستہائے متحدہ کی غریب ہندوستانی رعایا کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ ہم خود مسٹر گاندھی کے الفاظ میں انہیں یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں +

"قانونِ طلا" میں بھی ابھی کئی پوشیدہ نیش تھے۔ ریاستیں لائسنس کے متعلق بھی بہت سے قوانین ہیں۔ اسی قسم کے نیش تھے۔ اور ایک اَور ایسا امر تھا جس کی وجہ ریاستہائے مذکورہ کے پیدا شدہ ہندوستانی نہ سمجھ سکتے تھے۔ اور نہ اُسے پسند کر سکتے تھے۔ یعنی اُنہیں ایسے مکانوں میں رہنا پڑتا تھا۔ جن میں پانی کے نل نہیں۔ اگرچہ یورپین لوگوں کو ریاستہائے مذکورہ کے مختلف صوبوں میں آمد و رفت کی اجازت تھی۔ لیکن غریب ہندوستانیوں کو اپنے مخصوص صوبوں میں ہی بند رہنا پڑتا تھا۔ پھر اس کے علاوہ تجارت کے باب میں ان پر ناواجب قیود تھیں۔ انہیں ٹرانسوال میں جائداد غیر منقولہ پیدا کرنے کی ممانعت تھی۔ جو اُن کے لئے نہایت بے عزتی کی بات تھی۔ اور ان تمام امور کی وجہ سے ہندوستانیوں کو ہر طور پر نہایت ناپسندیدہ معاشرت سے رہنا پڑتا تھا۔ ہندوستانیوں کو ووٹ دینے کا سیاسی حق حاصل ہونا بھی ابھی باقی تھا۔ اس وقت تک وہ ہمدردی جس کی رو سے فاتح اپنے مفتوحین کی سب جماعتوں میں بطریق مساوات انصاف کرتا ہے۔ بہت دور ہے۔ اور سب سے آخری بات یہ ہے۔ کہ ہندوستان سے اہلِ ہند کا جنوبی افریقہ کو جانا عملاً بند ہوگیا۔ اور اس کے سبب وہاں کے ہندوستانیوں کو اپنے اہلِ وطن سے ملنے کا موقع نہیں رہا جس کے وہ نہایت شائق تھے۔ غرض یہ اور اسی قسم کے اَور مظالم آیندہ اصلاح پائیں گے۔ خدا کرے۔ کہ پھر ایسے مقابلوں کی ضرورت واقع نہ ہو +

اس مشہور مقابلے کے ختم ہونے پر لوگوں کو جو فخر و خوشی حاصل ہوئی۔ افسوس کہ اس میں اس رنج و غم کی آمیزش ہوگئی۔ کہ اُس عظیم الشان مرکزی ہستی کو جو اس تمام تحریک کی موجد و بانی تھی۔ اس شخص کو جو جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے لئے اوتار اور نجات دہندہ تھا۔ بہت جلد ہمیشہ کے لئے ہندوستان کو رخصت ہونا تھا۔ اس وداع پر جو خوشی سے ہزاروں گنا زیادہ رنج افریقہ کے ہندیوں کو ہوا۔ وہ تحریر میں نہیں آ سکتا۔ اس کا صرف تصور ہی ہو سکتا ہے غرض اپنا مشن پورا کر کے فتح مند بہادر اپنے اس قول پر قائم رہ کر واپس ہوا۔ کہ "صرف ہندوستان ہی ہے۔ جو دنیا میں سب سے زیادہ کمال حاصل کر سکتا ہے"۔

مہاتما گاندھی ہندوستان میں

وطن واپس آنے پر مسٹر گاندھی کا جو استقبال کیا گیا۔ اس میں وہ جوشِ محبت اور بلند احترام نمایاں تھا۔ جو تمام ممالک دنیا میں صرف ہندوستان ہی اربابِ روحانیت کے حضور پیش کر سکتا ہے۔ وطن واپس آنے کے بعد مسٹر گاندھی نے اپنی تمام توجہ ذاتی مطالعہ اور ان معمات کے سمجھنے میں مبذول کی۔ جو ایک عظیم الشان اور قدیم مہذب ملک کو نئی معاشرت اختیار کرنے کے وقت ضرورتاً پیش آتی ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ جگہ جگہ پھرے۔ اور ہر درجے اور ہر حیثیت کے لوگوں سے ملاقات کی۔ اور مختلف خیالات و مشاغل کے لیڈروں سے ملے۔

آدمی کی فطرت وخصلت کا حال اس کے خفیف ترین افعال سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان واپس آنے کے بعد ہی پہلے پہل بہت سے لوگوں نے انہیں ہوڑہ سٹیشن پر دیکھا۔ کلکتہ کے چیدہ لوگ پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ اور ان کو اول و دوم درجے میں تلاش کر رہے تھے۔ اور جب وہ تیسرے درجے میں سے باہر نکلے۔ تو ایک عجیب سنسنی پیدا ہوئی۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ بات انہوں نے اپنی مسکینی جتانے کے لئے کی۔ بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا۔ کہ انہوں نے عہد کر لیا تھا۔ کہ میں کسی ایسی آرام طلبی کے داغ سے اپنی خصلت کے دامن کو آلودہ نہ کرونگا۔ جو میرے ملک کے غریب سے غریب آدمی کو میسر نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے نفس سے نہایت پُرجوش عہد کیا تھا۔ کہ میں ادنےٰ سے ادنےٰ اور ناچیز سے ناچیز انسانوں کے رنج و غم میں ان سے ہمدردی کرونگا۔ چنانچہ ان کی روزانہ زندگی سے بطریق احسن اسکا ثبوت ملتا ہے۔ انہوں نے ریل کے تیسرے درجے کے مسافروں کی تکلیفیں دور کرنے کا بھی بیڑا اُٹھایا ہے۔ ان کی نظر میں کوئی بات بھی ایسی نہیں۔ جو ان کی سچی توجہ و کوشش سے دور نہ ہو سکے۔ غرض کہ یہ جوش تھا۔ جو وہ اس ملک میں ایک قومیت پیدا کرنے کے کام کے لئے لے کر آئے۔

ہندو یونیورسٹی کے افتتاح کے وقت پھر ایک واقعہ پیش آیا۔ پلیٹ فارم پر ہندوستان کے راجے مہاراجے جمع تھے۔ کہ مسٹر گاندھی نے ایک تقریر کی جسے سن کر بہت سے لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے

اور ان کے الفاظ کو خلافِ وفاداری سمجھا۔ یقیناً یہ نہایت سخت غلط فہمی تھی جس کا بعد میں لوگوں کو علم ہوا۔ ایک ایسا شخص جو اپنی تمام زندگی بھر یہ کوشش کرتا رہا۔ کہ اپنے دل سے نفرت و حقارت کے بیج نکال ڈالے۔ اور جو اس بات کا ساعی رہا ہے۔ کہ اگر اُس کے دل میں کوئی بھی ایسی کیفیت ہو۔ جس سے بدی کا شائبہ پایا جائے۔ تو اُس کو صفحہ دل سے مٹا دے اس کے دل میں بھلا اس قسم کے خیالات کب پیدا ہو سکتے تھے +

چمپارن کا واقعہ

چمپارن کا واقعہ لوگوں کے دل میں بالکل تازہ ہے۔ اور اس کے مفصل بیان کی کچھ ضرورت نہیں۔ مہاتما گاندھی کو وہاں بلایا گیا تھا اور آپ اس امر کی تحقیقات کرنے کے لئے وہاں گئے۔ کہ کاشت نیل میں مزدوروں کی کیا حالت ہے۔ اور مزدوروں کے مالک ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے چمپارن کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے یہ سمجھ لیا۔ کہ آپ کی موجودگی ضلع کے لئے سخت خطرے کا باعث اور نقضِ امن کا موجب ہوگی۔ چنانچہ مجسٹریٹ مذکور نے مسٹر گاندھی کے نام یہ حکم صادر کیا۔ کہ وہ سب سے پہلی ٹرین میں اس ضلع سے رخصت ہو جائیں مسٹر گاندھی نے جواب دیا۔ کہ میں اپنا فرض ادا کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ اور میں یہاں قیام کرونگا۔ اور اگر اسے نافرمانی سمجھا جاتا ہے۔ تو میں اس نافرمانی کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔ مقدمے کی تحقیقات بہت جلد شروع ہو گئی۔ آپ نے اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کیا۔ اور

بیان کیا کہ میں دو فرضوں کی کشمکش میں گرفتار ہوں۔ ایک فرض تعمیل قانون کا حکم دیتا ہے اور دوسرا فرض تحقیقات کا جس کے لئے میں یہاں آیا ہوں اور حالات موجودہ میں مجھ کو یہاں سے خارج کرنے کی ذمہ واری حکام ضلع پر ہی عاید ہوتی ہے۔ مجسٹریٹ مذکور نے اس روز چند گھنٹے تک فیصلے کا لکھنا ملتوی رکھا۔ اور آپ نے اس روز مجسٹریٹ ضلع سے مل کر یہ وعدہ کیا۔ کہ جب تک حکام بالا سے ہدایات نہیں مل جائینگی میں گاؤں میں نہیں جاؤنگا۔ لہذا یہ مقدمہ چند روز کے لئے ملتوی رہا۔ اور حکام بالا نے ہدایات جاری کیں۔ کہ مقدمہ مذکور میں اور کچھ کارروائی نہ کی جائے۔ بعض کاشتکاران نیل نے مسٹر گاندھی کی اس کارروائی سے ناخوش ہوکر ان پر دیوانہ وار حملہ کر دیا۔ لیکن چمپارن کمیشن تحقیقات کی رپورٹ جو حال میں شائع ہوئی ہے۔ اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گاندھی اس باب میں بالکل بے قصور تھے ؀

لوگوں کی طرف سے حکام کی خدمت میں ایک بہت بڑے محضر کا بھیجا جانا ہندوستان کی جدید سیاسی تاریخ میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن جب مسٹر گاندھی نے کانگرس مسلم لیگ میں تجویز اصلاحات کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔ تو یہ وقت اس کام کے لئے نہایت موزون ثابت ہوا۔ اور یہ بات مثل جادو کے اثر کر گئی ؀

انہوں نے اس تجویز کی اشاعت کا کام اپنے صوبہ گجرات میں خود اپنے ذمے لیا۔ اور نہایت خوبی سے اس کو سرانجام دیا۔ حقیقی محب وطن کبھی کاہل نہیں بیٹھ سکتا چنانچہ آپ بھی آرام سے نہ بیٹھے ؀

مسٹر گاندھی کو نہایت پختگی سے اس بات کا یقین ہے۔ کہ ہندوستان
کے اتحاد کے لئے ایک مشترک زبان کی ضرورت ہے۔ اور ان کی رائے
میں ہندی اس کے لئے سب سے بہتر کام دے سکتی ہے۔ ستیہ گرہ
آشرم کا ایک مقصد یہ بھی ہے۔ کہ تمام ملک میں اس دیسی زبان کو ترقی
دی جائے۔ اور اسے ہر دل عزیز بنانے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ
مسٹر گاندھی کے ایک بیٹے نے بھی گذشتہ دنوں مدراس میں قیام کر کے
تعلیم ہندی کے لئے جماعتیں کھولی تھیں۔ اپنے خیالات پر عمل پیرا
ہونے والے شخص کی زندگی عجیب مختلف مقاصد و واقعات سے پُر
ہوتی ہے۔ چنانچہ دہلی کی وار کانفرنس میں جب مسٹر گاندھی نے اپنی تقریر
انگریزی میں شروع کی۔ اور ہندی پر اس کا خاتمہ کیا۔ تو تمام عظیم الشان
سامعین کے دلوں میں سنسنی پیدا ہوگئی۔ کہ کیسی زبردست جرأت سے
اور بغیر کسی قسم کے تکلف کے یہ کارروائی عمل میں آئی ؎

برت

مسٹر گاندھی کا مشہور روزہ اس قدر تازہ واقعہ ہے۔ کہ سب اہل وطن
کو یاد ہوگا۔ اور اسکا صرف اتنا اشارہ کر دینا ہی کافی ہوگا۔ کہ احمد آباد کے
کارخانوں کے مزدوروں نے کام چھوڑ دیا تھا۔ اور اپنے مالکوں سے
تنخواہ میں ترقی مانگی تھی جس کے دینے سے مالکوں نے انکار کیا تھا۔ اس
موقعے پر بھی مسٹر گاندھی تشریف لے آئے۔ اور صلح صفائی کرانے کی
کوشش میں مصروف ہو گئے۔ مگر جب یہ کوششیں بے سود ثابت ہوئیں

تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ اور سب لوگوں میں اعلان کر دیا۔ کہ جب تک یہ معاملہ خاطرخواہ طور پر فیصل نہ ہو جائیگا۔ تب تک میں کسی قسم کی خوراک نہ کھاؤں گا۔ خواہ میں مر ہی کیوں نہ جاؤں۔ چنانچہ جب شاید تین دن فاقے کو گزر گئے۔ تو کارخانہ داروں کا دل پسیجا۔ اور انہوں نے مزدوروں کے مطالبے کو منظور کر لیا۔ اور ہڑتال اور روزے کا خاتمہ ہو گیا +

کیرا کا خاموش مقابلہ

ہندوستان آنے کے بعد مسٹر گاندھی نے جو پہلی بڑی اور یاد رکھنے کے قابل تحریک کی۔ وہ کیرا کا خاموش مقابلہ تھا۔ اس کا اگر پورے طور پر تفصیل سے تذکرہ کیا جائے۔ تو اس کے لئے ایک جلد کی جلد درکار ہوگی۔ ہم یہاں اس کا صرف مختصر سا خاکہ دئے دیتے ہیں ضلع کیرا گجرات میں ۱۹۱۶ء ۱۹۱۷ء میں فصل نہایت خراب ہو گئی تھی۔ جس سے لوگوں پر سخت مصیبت ٹوٹی۔ قواعد مال گزاری کی رو سے مالگزاروں کو یہ حق حاصل تھا۔ کہ اگر فصل کی آمدنی روپے میں سے چار آنے کم ہو تو ایک سال کے لئے پوری مال گزاری ملتوی کر دی جائے۔ اور اگر مال گزاری چار آنے اور چھ آنے کے درمیان ہو۔ تو نصف مالگزاری ملتوی کی جائے۔ حکام نے چھ سو دیہات میں سے صرف ایک گاؤں میں پوری مالگزاری ملتوی کی۔ اور ایک سو چار گاؤں میں نصف مالگزاری۔ اور باقی دیہات سے پوری مالگزاری وصول کرنے کے لئے احکام صادر کئے۔ مال گزاروں کی طرف سے یہ دعویٰ کیا گیا۔ کہ گورنمنٹ

نے تخمینہٴ آمدنی بنانے میں غلطی کی ہے۔ اور جو رعایت ان کے لئے کی
گئی ہے۔ وہ حالات موجودہ کی ضروریات کے لحاظ سے ناکافی ہے۔
مسٹر گاندھی۔ مسٹر وی۔ جے پٹیل اور اور لوگوں نے بہت سے دیہات
کی خود تحقیقات کی۔ اور گورنمنٹ سے درخواست کی۔ کہ اس مصیبت
کی حقیقت و وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔
یا کوئی اور مناسب کارروائی عمل میں لائی جائے۔ ان بزرگوں نے
حکام سے ملاقات کی۔ جلسے منعقد کئے۔ اور مناسب تجویزیں پیش کیں
لیکن تمام درخواستیں۔ عرضیاں اور اعتراضات بے سود ثابت ہوئے
اور وصولی مالگزاری کا کام جبر کے ساتھ جاری رہا۔ اس وقت مسٹر
گاندھی نے کیرا کے غریب ان پڑھ لوگوں میں ستیہ گرہ کی تحریک کی
اُن کی یہ صدا وہی صدا تھی۔ جو جنوبی افریقہ میں بلند ہوئی تھی۔ اور
جس نے دنیا کو محو حیرت کر دیا تھا۔ معلوم کرنا چاہیئے۔ کہ مسٹر گاندھی
کے سامنے صورتِ معاملہ کیا تھی۔ کیا صرف اتنی ہی بات تھی۔ کہ
مالگزاروں کے لئے ادائے مالگزاری میں ایک سال کی مہلت لینا
مقصود تھا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ان کے لئے یہی سوال بہت زیادہ گہرا
تھا۔ یہ ایک اخلاقی اور روحانی سوال تھا۔ گورنمنٹ معاملہ مذکور میں غلطی
پر تھی۔ رعایا حق بجانب تھی۔ اور گورنمنٹ نے رعایا کے نمائندوں
سے سرد مہری و نفرت کا سلوک کیا تھا۔ ایک طرف با اختیار سرکار
تھی۔ اور دوسری طرف بے زبان خوفزدہ مالگزار۔ یہ حالت کب تک
رہ سکتی تھی۔ ضرور تھا۔ کہ رعایا سرکار کا بے جا خوف اپنے دل سے

نکال ڈالے۔ اور اپنی ہستی اور وجود کے معنے سمجھے۔ تو ان کو کیا کرنا چاہئے تھا۔ نہ قانون کی خلاف ورزی کرنی تھی۔ نہ سرکشی کرنی تھی۔ بلکہ اس نہایت نہایت مضبوط ہتھیار کو استعمال کرنا تھا۔ جو مصیبت کے وقت میں کمزوروں کا نہیں بلکہ قوی الروح لوگوں کا ہتھیار ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت آدمی کو مصائب برداشت کرنے کے حق سے محروم نہیں کرسکتی۔ لگاتار مصیبتیں بھگتے جانے پر طاقت واقتدار کو دبنا پڑتا ہے۔ یہ عقیدہ ہے۔ جو گاندھی کی زندگی اور افعال کا دستور العمل ہے۔ چنانچہ یہی وعظ تھا۔ جو انہوں نے کیرا کے کسانوں کو سنایا۔ آپ نے کہا مالگزاری مت ادا کرو۔ سزائیں بھگتو۔ سچائی پر قائم رہو۔ اور ستیہ گرہ کی بادشاہت میں داخل ہو جاؤ۔ لوگوں کی طرف سے انہیں جو جواب ملا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُن میں بھی بہادری کا وہی مادہ موجود تھا۔ روحانی طاقتوں کا وہی ادراک تھا۔ بنائے ہوئے نمونوں پر چلنے والی وہی فطرت تھی ہر قسم کی قربانی کے لئے وہی مستعدی تھی غرض وہ تمام صفات موجود تھیں جنہوں نے جنوبی افریقہ میں خاموش مقابلے والوں کو ممتاز و سرفراز کیا تھا تقریباً ڈھائی ہزار مردوں اور عورتوں نے ستیہ گرہ کا حلف اٹھایا اور مالگزاری دینے سے انکار کیا۔ حکام نے بھی اپنی طرف سے پھسلانے بہلانے میں کچھ کسر نہ رکھی۔ اور آخر قرق کرنے کی کارروائی شروع کردی مویشی۔ گھر کے برتن۔ عورتوں کے زیور جو کچھ ہاتھ آیا۔ ضبط کر لیا گیا۔ لیکن مقابلہ کنندوں کا جوش ٹھنڈا نہ پڑا۔ آخر کار حکام نے مزید غور کرنے پر معاملہ سمجھ لیا۔ اور احکام جاری کردئے۔ کہ مال گزاری

کی ادائیگی ایک سال کے لئے ملتوی ہوگی۔ اور نیز گورنمنٹ صرف انہی سے مالگزاری لینے کی توقع رکھے گی جو ادا کر سکیں گے۔ آخر قرق شدہ اشیاء واپس ہوئیں۔ اور نہایت جوش و مسرت کے ساتھ یہ مقابلہ تمام ہوا +

ستیہ گرہ آشرم

لیکن مسٹر گاندھی کا سب سے زیادہ نتائج خیز کارنامہ ہندوستان میں ستیہ گرہ آشرم کا قائم کرنا ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا قیام سچائی کے لئے ہے۔ وہ سچائی جو دنیا کی ہر خوبی سے بڑھ کر ہے۔ یعنی خیال کی سچائی۔ الفاظ کی سچائی۔ اور اعمال کی سچائی۔ اس آشرم کے ممبروں کو مجرد رہنے۔ لذیذ چیزوں کے نہ کھانے۔ چوری نہ کرنے۔ ملک دیشی چیزوں کے استعمال کرنے۔ نڈر ہونے۔ اور ہندوستان کی نیچ ذاتوں کو اُبھارنے کا حلف اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس کے بڑے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ اپنی ملکی زبان ذریعہ تعلیم ہونی چاہئے۔ گویا آشرم افراد کی بہتری اور قوم کی بیداری کا کام کر رہا ہے +

آج مسٹر موہن داس کرمچند گاندھی اپنے اہل وطن کے روبرو ستیہ گرہ کا مجسمہ بلند بانگاہ پر رکھتے ہوئے ولئے کی مانند کھڑا ہے۔ قوت صداقت یا قوت محبت ان کے لئے تمام قوتوں سے بڑی چیز ہیں۔ افراد اور قوم جس قدر یکساں اس قانون کی طاقت پر عمل کرتے ہیں۔ یا اپنے آپ کو اس کے قابل بناتے ہیں۔ اتنی ہی مدت تک وہ زندہ رہتے اور بڑھتے ہیں +

بصیرت وبصارت کی خوبیاں۔ خوش بیعرتی کی نوٹ اور تمام وہ خصائل جن نے اس مشہور شخص کے نام کو روشن کیا ہے۔ اِس بات کا نتیجہ ہیں۔ کہ انہوں نے اپنے قول کو عمل کر کے دکھا دیا (یہ سوچنا فضول ہے۔ کہ اگر وہ جنوبی افریقہ کے سوا اپنی زندگی کسی اور جگہ صرف کرتے۔ تو وہ کیا بنتے۔ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں سے وہی کام کرواتا ہے۔ جو ان کے مقدر میں ہوتا ہے۔ ہمارا کام ان کا حکم ماننا اور ان کے کہنے پر چلنا ہے +

رولٹ ایکٹ

گذشتہ اپریل میں رولٹ ایکٹ کے خلاف مسٹر گاندھی نے جو خاموش مقابلہ اختیار کیا۔ اس کے واقعات اس قدر تازہ ہیں۔ کہ اُن کا بیان یہاں فضول معلوم ہوتا ہے۔ تمام اخباروں میں ان کا ذکر چھپ چکا ہے۔ اور ہر ایک ہندوستانی کے کانوں تک پہنچ گیا ہے۔ سرکاری اور اہلِ ملک کی کمیٹیاں ان واقعات کی تحقیق کر رہی ہیں۔ اور جب ان کی رپورٹیں شائع ہونگی۔ تو تمام صحیح واقعات بالتفصیل معلوم ہو سکیں گے۔ فی الحال اُن کے ذکر کرنے سے خاموشی ہی بہتر ہے +

مسئلہ خلافت

دورانِ جنگ میں مسٹر لائڈ جارج نے ٹرکی کی حفاظت کے متعلق وعدہ کیا تھا۔ اخباروں میں یہ دیکھ کر کہ اب شائد یورپ کی طاقتیں ٹرکی

کی تقسیم عمل میں لانے والی ہیں۔ اس لئے مسٹر لائڈ جارج کے وعدے کی یاد دہانی کے لئے تمام ہندوستان کے مسلمانوں نے دہلی میں ایک خلافت کانفرنس منعقد کی۔ اور سب کی رائے سے مہاتما گاندھی کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ مہاتما گاندھی کے یہ الفاظ مسلمانوں کو کبھی نہ بھولیں گے:۔

"ہم ایک ملک کے رہنے والے۔ ایک بھارت ماتا کے دودھ اور پھل پھول وغیرہ خوراک سے پلنے والے۔ ایک ایشور۔ ایک خدا۔ ایک باپ کی اولاد ہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ پھر ہم میں اختلاف اور نفاق کیوں ہو؟"

جب مولانا عبد الباری نے مسلمانوں کی طرف سے مہاتما گاندھی کی شرکت کا شکریہ ادا کیا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

"ہم ہندوستانی ہیں۔ مولانا اور میں بھائی بھائی ہیں۔ ارے ہم تو ان کے مکان پر جا کر دودھ پی آئے۔ کھانا کھا آئے۔ ہم تو دودھ بھائی بھی ہیں۔ کیسا شکریہ۔ کیسا معاوضہ۔ آپ کا درد ہمارا درد۔ آپ کا رنج ہمارا رنج ہے"۔

مہاتما گاندھی کی جے